ارشاد العلماء
الیٰ تحقیق
مسئلہ سماع الموتیٰ و حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد القدیر صاحب دامت برکاتہم
ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ۰ پاکستان

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ (الآیۃ القرآن)

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (الحدیث)

اِرشادُ العُلماء

الی تحقیق

مسئلہ سماع الموتٰی و حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

از قلم تلمیذ رشید رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ
و شاگرد فہیم شیخ الاسلام حضرۃ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جامع المنقول و المعقول حضرۃ مولانا عبد القدیر صاحب
دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و حال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ۰ پاکستان

نام کتاب ——— ارشاد العلماء

نام مصنف ——— شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القدیر صاحب دامت مجدہم

ناشر ——— ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

طبع اوّل ——— ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق نومبر ۱۹۸۷ء

مطبع ——— فائن بکس پرنٹرز، لاہور

کتابت ——— محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

تعداد ——— گیارہ سو

قیمت ——— ۸/- روپے

◎

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مدنی کتب خانہ النور مارکیٹ اردو بازار، گوجرانوالہ

مکتبہ حنفیہ گلی ڈاکخانہ والی اردو بازار، گوجرانوالہ

انجمن اسلامیہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی گوجرانوالہ

فہرست مضامین ارشاد العلماء

پیش لفظ

مبسملاً ومحمدلاً ومصلیاً ومسلماً امابعد

راقم اثیم نے کتاب تسکین الصدور حضرت الشیخ استاذنا المحترم مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (انڈیا) وحال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کی خدمتِ اقدس میں پیش کی کہ اس کے بارے اپنی زرّیں رائے مبارک سے آگاہ فرمائیں جس میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام فی القبور اور عندالقبور ان کے صلوٰۃ وسلام کے سماع اور استشفاع عندالقبور کے متعلق باحوالہ مبسوط بحث ہے۔ اور ۱۳۷۴ھ تک اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اور تمام اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اس پر متفق تھے اور یہ ان کا اجماعی مسلک تھا ملّت مرحومہ کی بدقسمتی کی وجہ سے اپنے کو دیوبندی کہلانے والے بعض حضرات نے (جن میں جناب سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی سرفہرست ہیں) اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف پیدا کیا اور بایں ہمہ اپنی کڑی دارالعلوم دیوبند سے جوڑنے کا ادّعا بھی ہے اور عام اموات کے سماع اور عدمِ سماع کے قرنِ اوّل سے اختلافی مسئلہ کو آڑ بنا کر قائلین سماع موتیٰ کو لوئر مشرک بلکہ مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا اور ثواب وعذاب قبر کو جس کا

متواتر احادیث سے ثبوت ہے اور یہ اہل السنت والجماعت کا مسلک
ہے محض شکوک وشبہات اور اپنی نارسا عقل سے باطل تاویل کی بھینٹ
چڑھا دیا کہ ثواب وعقاب تو صرف روح یا جسدِ مثالی کو ہوتا ہے اور اسی
طرح توسّل کی جائز اور مشروع شق کا بھی نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اسے شرک و
بدعت قرار دیا، غرضیکہ امت مسلمہ اور علماء دیوبند سے منسلک حضرات کے لیے
ایک نئے اور شدید فتنے کا دروازہ وا کر دیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ
المحترم دامت برکاتہم نے باوجود تعلیمی مشاغل. نگاہ کی کمزوری اور پیرانہ سالی کے
شفقت کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تسکین الصدور میں درج شدہ مسائل
اور دلائل کی تائید وتصویب ہی فرمائی بلکہ مزید ٹھوس حقائق اور علمی نکات پیش
کیے زبان اگرچہ عالمانہ ہے۔ مگر متوسط فہم والا غیر منتسب بھی بخوبی سمجھ
سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت کے اس علمی اور تحقیقی مواد کو کتابی صورت
میں منضبط کر دیا جائے تاکہ علماء کرام اور طلبہ اور دین سے گہری دلچسپی رکھنے
والے حضرات اس سے استفادہ کر سکیں بناء بریں توکلاً علی اللہ تعالیٰ ادارہ
نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اسے شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ
حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو فی الدارین جزاءِ خیر عطا فرمائے اور ان کے
لیے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ خیر خلقہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی
آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واتباعہ الی یوم الدین

احقر الناس ابو الزاہد محمد سرفراز صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وخطیب جامع مسجد گکھڑ
(۲۹ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ، ۲۵ اگست ۱۹۸۷ء)

باب اوّل مسئلہ سماع موتیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

عرصہ ہوا کہ محترم شیخ الحدیث محمد سرفراز صاحب مداللہ ظلہ نے رسالہ طیبہ تسکین الصدور خزینۃ المعقول والمنقول دیا۔ کہ اس کے متعلق اپنا تأثر لکھیں! لیکن مجھے تعلیمی شغل کی وجہ سے اور بالخصوص نگاہ کی کمزوری کیوجہ سے موقع نہ ملا علاوہ ازیں یہ دیکھا کہ اس گلدستۂ علم کے متعلق گرامی قدر افاضل علمار کرام اور بعض اساتذۂ عظام کی تصدیقات ثبت ہو چکی ہیں! ان حضرات گرامی قدر وفضلار کی توثیق کے بعد اور لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کتاب تسکین الصدور کو دیکھنے والا واقعی اس کتاب کو اسم بامسمّٰی اور صحیح سمجھ کر انشراح صدر پائیگا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء ووفقہ اللہ لما یحب ویرضی! کتاب نہایت سنجیدگی سے لکھی گئی ہے! مقصد کے لیے وافی اور کافی ہے۔ مزید لکھنے کی حاجت نہیں۔ نسخۂ شفار ہے۔ لیکن شفار اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے انک لا تھدی من احببت آ ہی چکا ہے اجمالا امارا فیصلہ وہی ہے، جو حضرت علامہ مہدی حسنؒ

مفتی دار العلوم دیوبند کا تسکین الصدور صؔ پر مرقوم ہو چکا ہے! جس کی تائید اور کئی حضرات محققین راسخین فی العلم فرما چکے ہیں! مزید لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں خیر الکلام ما قلّ ودلّ بزرگوں کا فرمان ہے! خیال تو یہی تھا لیکن جانب مخالف کے بعض حضرات کی روش نے مجبور کیا کہ کچھ معروضات عرض کروں، تو قوم کو دانستہ یا نادانستہ مغالطات اور الجھنوں میں ڈالا گیا ہے۔ وہ بزرگانِ دین کے کلام کو نقل کرتے ہیں اور عمل اپنے ضمیر کے مطابق الٹا ہی کرتے ہیں۔ جمنا الٹی چل رہی ہے، سنتے تھے اب دیکھ بھی لیا۔

فریقِ ثانی کے بعض حضرات نے سماع موتٰی کے ردّ میں رسالہ لکھا ہے داس کے مرتب اس فریق کے دو محقق عالم ہیں۔ مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی اور مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری مؤلف تفسیر جواہر القرآن کلاں اس کے صؔ پر حضرت علامہ نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا ہے! کہ حضرت نے عوام کے سامنے اس مسئلہ کے ذکر کرنے کی اجازت نہیں دی بیشک آپ کا فرمان ٹھیک ہے کیونکہ کلّموا النّاس علیٰ قدر عقولھم آیا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کے ۔۔۔۔ نازک پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے عوام کی خیر خواہی اور بہبودی یہی ہے کہ اس کے دلدل میں ان کو نہ پھنسایا جائے بالخصوص کہ یہ مسئلہ قرن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں مختلف فیہ رہ چکا ہے۔ اس فریق کے وکیل نے اسی رسالہ کے صؔ پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ مسئلہ سماع موتٰی قرن اول میں مختلف ہوا۔ اسی صفحہ میں تین جگہ اس فرمان کو دہرایا گیا ہے! کہ ایسے

نازک مسئلہ میں آپ نے فرمایا کہ قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ کسی ایک فریق کو ضلال پر نہیں کہا جا سکتا ہاں اجتہادی درجہ میں ترجیح کی گنجائش ہوتی ہے! افسوس کہ فریق ثانی کے بعض حضرات ہر جلسہ میں اس کا ذکر ادار واجب جانتے ہوئے اس کو خدمت دین سمجھتے ہیں، اس کے سوا ان کو مزا ہی نہیں آتا۔ ایسے نازک مسئلہ کو معرکہ جنگ بنا نا منبروں پر بیٹھ کر طعن و تشنیع کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ سنجیدہ طبائع اس غلط رویّہ کی مذمت کرتی ہیں! اس پہ نالاں اور شاکی ہیں! لیکن ان کی بلا سے! حالانکہ روز محشر میں اس عقیدہ کی نہ پرسش ہوگی نہ جزاء و سزا ملیگی۔ آپ لوگوں نے سماعِ موتیٰ کو قرآن کے مخالف عقیدہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ابھی آپ کے وکیل نے مسئلہ سماع موتیٰ کو حضرت گنگوہیؒ کے کلام سے حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلافی اور اجتہادی نظریہ نقل کیا ہے لیکن آپکے عقیدتمند طبائع مخالفین کو قرآن کا منکر سمجھ کر تلخ لسانی کرنے لگتے ہیں یہ تو بل سوّل لھم الشیطان اعمالھم والی بات نظر آتی ہے اور اس سے بجائے خیر کے شر و فساد زیادہ پیدا ہو جاتا ہے! آپ کیا کوئی صحیح روایت پیش کر سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ تابعین یا تبع تابعینؒ کے زمانہ میں علی رؤس المنابر معرکۃ الآراء محاذ جنگ کبھی بنا ہو؟ اگر انہوں نے خاموشی کا راستہ اختیار کیا ہے تو آپ بھی فبھداھم اقتدہ کا راستہ اختیار کیجئے اسی میں خیر ہے۔

وما علینا الا البلاغ فریق ثانی کے بعض مدعیان فضل و کمال کو میں نے دیکھا کہ اگر کسی نے سماع موتیٰ کا قول کیا تو جھٹ اس کے برخلاف

آیت انک لا تسمع الموتی پڑھ دی کہ تم تو قرآن کریم کی نصِ صریح کے
خلاف کہتے ہو اس پر فتوی جڑنے لگتے ہیں جیسے کہ ان کی عام عادت ہے!
نادان نہیں دیکھتا کہ آیت میں مزید کا صیغہ ہے اور تم مجرد کے صیغے کے
دعوی دار ہو! جس کا مفہوم ہے الموتیٰ لا یسمعون۔ آیت کریمہ
اِنّکَ لا تسمع الموتیٰ آلایۃ کا معنی تو یہ ہے کہ تم مردوں کو سنا
نہیں سکتے! حالانکہ جس کے تم قائل ہو وہ ہے کہ مردے نہیں سُنتے:۔
دیکھیے قرآن کریم میں فرمایا لہا ما کسبت مجرد کا صیغہ ہے اور اس
کے بعد فرمایا وعلیہا ما اکتسبت یہ مزید کا صیغہ ہے دونوں میں فرق
ہے۔ اوّل کی جگہ ثانی غلط ہو گا، اور ثانی کی جگہ اوّل غلط ہے، اسی طرح یہاں
مجرد اور مزید کے اور اور اور جدا جدا معنی ہیں مزید تفصیل نہیں کر سکتا۔

ایک خیال فاسد اور اس کی تردید

فریق ثانی کے بعض مدعیانِ علم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سماع موتیٰ کا قول گمراہی
پھیلانے کا راستہ ہے، اس سے لوگ بزرگوں کی قبروں پر جا کر ان سے
مرادیں مانگیں گے! جو شرک ہے، اس لیے انکارِ سماع واجب ہے اسی
میں سلامتی ہے۔ سماع موتیٰ شرک کا راستہ ہے اس کا بند کرنا دین ہے کارِ خیر
ہے توحید کا تقاضا ہے! اور یہ انجمن اشاعت التوحید والسنت کا وظیفہ
ہے۔ اسی وجہ سے ہم مخالفین کو کوستے ہیں اس نظریہ سے روکتے ہیں۔
جواب باصواب! یہ بہانہ ایک افسانہ ہے جو مطلب سازی کے

سے لیے گھڑا گیا تاکہ جال میں شکار پھنس جائے۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ بات کیوں نہ سمجھی؟ آپ نے ابھی حضرت گنگوہیؒ کے فرمان میں دیکھا پڑھا کہ مسئلۂ سماع موتیٰ قرن اوّل میں مختلف فیہا رہا ہے! بلکہ اس کی اصل بنیاد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک ہی بنتا ہے۔ یعنی ما انتم باسمع لما اقول منھم! یعنی تم سے یہ مرُدے میری بات اچھی سُنتے ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ یہ تو معجزہ کے طور پر ہوُا اور ان کے ساتھ مخصوص ہے، حضرت قتادہؒ کہتے ہیں احیاھم اللہ الخ اور یہی سبق پڑھایا سکھایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلّم نہیں یہ دعوٰی تخصیص بلا دلیل ہے اگر حضرات صحابہ کرامؓ اس کو بطور معجزہ مخصوص سمجھتے تو ان کا قول سماع موتیٰ کا نہ ہوتا۔ اور یہ مسئلہ ان میں مختلف فیہا نہ ہوتا۔ حضرت قتادہؒ کے بیان کو بعض لوگ بطور معجزہ ہونا مخصوص کرتے ہیں۔ کہ کفارِ بدر کی یہ زندگی خاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ندا و پکار سننے کے لیے ہوئی حالانکہ یہ ضروری نہیں! ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ مردوں کا سُننا چونکہ عالم اسباب سے نہیں محض بمشیئۃ اللہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ ولٰکن اللہ یُسمع من یشاء کے فرمان خداوندی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس موقع میں اسی ضابطہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار ان کو سُنا دی تاکہ ان کو حسرت اور ندامت حاصل ہو جائے اس کے علاوہ اور مواقع میں بھی جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو کسی کا سلام اور کسی کا کلام ان

کو سنا دیتے ہیں! یسمع من یشاء اسی عموم کی طرف اشارہ ہے! یہ
بدر کا واقعہ اس ضابطے کا ایک فرد ہے۔ اس کی تخصیص نہیں اگر معجزہ کے
طور سے یہ سننا سنانا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انکار ہی کیوں کرتیں
اور سماع کو علم سے کیوں بدلتیں اور انھم لیعلمون ان ما اقول
لھم حق کیوں فرماتیں؟ وہ انکار تو اس لیے کرتی تھیں کہ حضرت عمرؓ
اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ جمہور حضرات صحابہ کرامؓ شد و مد سے سماع موتیٰ
کے قائل تھے۔

(۱) علاوہ ازیں اس احیاء موتیٰ کو بطور معجزۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار
بدر کے ساتھ مخصوص کرنا اس لیے بھی غلط ہے! کہ جب حضرت عبداللہؓ
بن الزبیرؓ کو قتل کر کے سولی پہ لٹکایا گیا تو اس کے بعد حضرت عبداللہؓ بن
عمرؓ کا ان کی مصلوب لاش کے پاس اظہار حسرت و افسوس کے لیے جانا
ہوا تو حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کو خطاب کر کے درد دل کی آواز سے
تین مرتبہ السلام علیک کہا اس کے بعد مزید فرمایا کہ اے عبداللہؓ میں تمہیں
ان ظالموں سے بچاؤ کرنے کا کہتا تھا۔ یہ جملہ بھی تین مرتبہ فرمایا چنانچہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۲
پہ موجود ہے مر علیہ ابن عمر فوقف علیہ فقال
السلام علیک یا ابا خبیب تین مرتبہ سلام کے بعد فرمایا۔
اما واللہ لقد کنت انھاک عن ھذا، یہ
بھی تین مرتبہ کہا! وقال (صاحب المشکوۃ) رواہ مسلم
یہ روایت مسلم صفحہ ۳۱۲ ج ۲ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ

اس فرمان رسول کو جو بدر والوں سے خطاب فرمایا ہے۔ ان سے مخصوص نہیں کرتے تھے وہ عام سماع موتٰی کے قائل تھے ہاں اسماع کے بعد سمع کا ترتب بمشیۃ اللہ ہی کہا جائے گا۔

غرضیکہ یہ قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں دو ٹوک فیصلہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت گنگوہیؒ کا فرمان گذرا! صرف انہی کا نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات کا یہی فرمان ہے، خلاصہ کلام یہ کہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان سماع موتٰی پر دال ہے تخصیص کا دعوٰی اجتہادی نظریہ ہے۔ آپ کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ تخصیص ضرور ماننی پڑے گی! بلکہ آپ کو اس کے لیے شارع علیہ السلام کی نص صریح بتانی ہو گی اور اگر کوئی ایسی نص ہوتی تو حضرات صحابہؓ کیسے بے خبر رہ سکتے تھے! بیشک مُردوں سے مرادیں مانگنا جرم ہے، غلط کاروائی ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ سنتے نہیں وہ سنیں یا نہ سنیں یہ باتیں فی نفسہٖ شرک ہیں! خواہ زندوں سے اس طرح کی مرادیں مانگیں یا مُردوں سے۔ بمسئلہ سماع موتٰی بعض احادیث کی روشنی سے مسلّم ہے آپ کو تردید کرنی ہے، تو شرکیہ باتوں کی تردید کریں۔ مُردوں سے مرادیں مانگنے کے عقیدے سے روکیں لیکن اتنا تو ملحوظ رہے کہ مُردوں کے سُننے کے عقیدے نے یہ باتیں ان کو نہیں سکھائیں۔ یہ باتیں عقیدۂ شرک سے ناشی ہیں خواہ زندوں سے کہی جائیں یا کسی مرے مدفون سے باقی یہ بات کہ اے بزرگ، صاحب قبر! میرے لیے تم خدا سے دُعا کرو، یہ زندہ شخص سے

کہنی جائز ہے تو مردہ مدفون سے بھی جائز ہوگی لیکن بے سود کیا معلوم کہ
اس کو یہ بات پہنچی یا نہیں اِنَّ اللّٰہَ یَسْمَعُ مَنْ یَّشَآءُ
آیا ہوا ہے، اسباب وصول کے کارآمد نہیں بنتے کیونکہ دارالاسباب
سے میت نکل چکی ہے۔ براہ راست خداوند کریم سے مانگنا ہی اسلم طریقہ
ہے ہاں زندہ صالح شخص سے یہ استدعاء درست ہونے کے ساتھ
مفید بھی بنتی ہے صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مصیبت میں مبتلا
ہونے والے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دُعا کی التجاء کرتے
اور آپ دُعا فرماتے تھے، مثلاً بخاری ج۱ ص۱۳۷ میں بارش کے نزول کے لیے
ایک سائل نے آپ سے درخواست کی فَادْعُ اللّٰہَ اَنْ
یغیثنا قال فرفع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یدیہ الحدیث
الحاصل سماع موتیٰ کا عقیدہ مُنجر شرک کی طرف نہیں بنتا اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرامؓ
اس کے قائل نہ ہوتے اور احادیث میں اس کا تذکرہ نہ ہوتا۔ جیسے کہ گذر چکا۔
(۲) حضرت ابوطلحہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر یہ فرمان نبویؐ ما
انتم باسمع لما اقول منھم نقل کر رہے ہیں جو سماع موتیٰ
کی راہ نمائی کرتا ہے (بخاری ج۲ ص۵۶۶ و مسلم ج۲ ص۳۸۷) اگرچہ حضرت عائشہؓ
اس کا انکار فرما رہی ہیں لیکن محدثین کرامؒ کا اس بارے میں محاکمہ یہ ہے کہ
حضرت صدیقہؓ بوقت فرمان اس موقع پر موجود ہی نہ تھیں یہ تخطئہ محض
اپنے گمانِ اجتہادی سے کر رہی ہیں! انہوں نے کوئی مرفوع روایت بالمقابل
پیش نہیں کی ایسے موقع میں مرفوع روایت حضرت عمرؓ کے سوال والی ہی قابل

قبول ہو گی۔ بالخصوص کہ یہ فرمان ما انتم باسمع الخ اور حضرت ابن عمرؓ
سے انھم الآن لیسمعون ما اقول لھم الحدیث
(بخاری ص۵۶۷ ج۲) کا ارشاد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔ اور
بعض دیگر صحابہ کرامؓ بھی اسے نقل کر رہے ہیں! حسب قواعد شرعیہ ترجیح
حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہی کو ہو گی چنانچہ بذل المجہود ص۴۷۸ ج۲
میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھا ہے، ھذا مصیر من عائشۃؓ
الی رد روایۃ ابن عمرؓ المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور
علی ذلک وقبلوا روایۃ ابن عمرؓ لموافقۃ من
رواہ غیرہ! اس سے مسئلہ سماع موتٰی کی حقانیت ثابت ہو رہی ہے
کیونکہ صحیح اور صریح روایت اس کی شہادت دے رہی ہے معلوم ہوتا
ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہؓ کا استدلالِ نفی سماع موتٰی
پر جو انک لا تسمع الموتٰی سے انہوں نے کیا تھا اس کو ناتمام
سمجھا کہ اس میں اسماع یعنی صیغہ مزید کی نفی کی گئی ہے اس سے نفس
سماع صیغہ مجرد کی نفی نہیں ہوتی آیت میں صرف یہ بیان ہے۔ کہ تم اپنے
طور سے مُردوں کو اپنا کلام پہنچا نہیں سکتے کیونکہ وہ اس جہانِ عالم اسباب
سے نکل چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ فتح الملہم ص۴۷۱ ج۲
پر فرماتے ہیں۔ نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد
وما افصح بنفی السماع من الاموات: یہی بات فیض الباری
ص۴۶۷ اور ۴۶۸ ج۲ میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ سے نقل کی گئی ہے

قیل بالفرق بین السماع والاسماع والمنفی هو الثانی دون الاول یعنی آیت میں اسماع کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس سماع کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فریق ثانی کے بزرگوں کا سماع موتی کے انکار میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنا محض بے سود اور بے محل ہو کر ایک مغالطہ ہی ہے اور وہ لوگوں کو غلط اثر دیتے ہیں کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے مخالف ہے معاذ اللہ تعالیٰ! اگر ایسا ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ سماع کے قائل کیسے ہوتے! جب کہ بعض حضرات اہلِ تحقیق یہ فرماتے ہیں، کہ آیت کریمہ میں منفی وہ اسماع ہے جو نافع بنتا ہے یعنی لا تسمعهم سماعاً ینفعهم۔ اس قید سے اصل سماع کی نفی ثابت نہیں ہو گی اور یہ معنی اس صورت میں زیادہ اقرب ہوں گے جب آیت مذکورہ کو کفار کے بارے میں نازل کہا جائے یعنی موتی سے مراد کفار ہوں چنانچہ اس کے بعد آیت کریمہ ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آپ کا سنانا مومنوں کو ہی نافع ہے کہ وہ مان کر رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ نیز اس معنی کے اقرب ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ کفار سنتے تو ہیں لیکن یہ سماع ان کے حق میں نافع نہیں فرمان خداوندی وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا بھی اسی کی شہادت ہے کیونکہ یقین سننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

فیض الباری ص $\frac{۴۶۷}{۲ج}$ میں ہے والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر۔ یعنی فی الجملہ سمع اموات

کے متعلق احادیث تواتر تک پہنچ چکی ہیں اس لیے مطلقاً سماع موتی کا انکار کرنا غلط محض اور خلاف شرع ہو گا۔ لہذا آیت میں قید سماعاً ینفعھم کی ضروری ہو گی یعنی زندہ کفار آپ کا کلام سُنتے تو ہیں لیکن نفس سُننا ان کو نافع نہیں جب تک انشراح صدر کے ساتھ قبول نہ کریں۔ جس طرح مردے جو مر گئے اور دار الجزاء کو پہنچ چکے ہیں اس وقت صرف سننا ان کو بھی نافع نہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا فرمان

بعض جاہل یہ کہہ دیتے ہیں کہ آیت قطعی ہے لہذا سماع موتی قطعاً منفی ہو گیا! اور یہ حدیث، سماع خبر واحد اور ظنی ہے: لہذا قرآن کے مقابلے میں متروک ہو گی دوسرے ہم خیال بھی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں مگر یہ بھی ایک مغالطہ ہے اور دھوکا ہے، فریب سے عوام کو ہم عقیدہ بناتے ہیں یہ بات خواہ کوئی بھی کہے جہالت ہی ہے! اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہیؒ کو غریق رحمت فرمائے وہ عقدہ کشائی فرما گئے ہیں لیکن سمجھنے کے لیے علم اور عقل کی ضرورت ہے۔ ومن اللہ الھدایۃ حضرت گنگوہیؒ کا یہ فرمان سماع موتی ص۸ پر مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے یہ حدیث ما انتم باسمع لما

۱؎ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں اور حضرت عمرؓ نے چونکہ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی جو معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں ہو سکتا ہے الخ (لطائف رشیدیہ ص۸)

اقول منھم خود حضور علیہ السلام سے سُنی ہے تو ان کے لیے یہ
حدیث بھی قرآن کی طرح قطعی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے جو معنی انہوں نے سمجھے
اس فہم کی وجہ سے اگر قرآن میں تخصیص کریں تو کر سکتے ہیں! یعنی اگر سماع
اور اسماع میں فرق نہ کیا جائے اور نہ سماعاً کے ساتھ ینفعھم
کی قید لگائی جائے بلکہ مطلق سماع کو منفی کہا جائے اور مدلول آیت بنایا جائے
تب بھی حضرت ابُوطلحہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی مروی روایت جو سماع موتیٰ
پر دال ہے جس سے حضرت عمرؓ نے عام اموات کا سماع سمجھا تخصیص
عمومِ آیت کے لیے کافی ہے، کیونکہ یہ حدیث انہوں نے خود براہ راست
جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے یہ حدیث ان کے
لیے ایسے ہی قطعی ہے جیسے آیت کریمہ اپنے مدلول میں قطعی ہے! تو
قطعی فرمان قطعی آیت کے لیے مخصص ہوگیا۔ ظنیت تو بعد میں نقل سے
پیدا ہوئی ہے۔ یہی جواب اس کا دیا جاتا ہے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ
نے حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ ورثہ کے جواب میں فرمایا کہ حضورؐ کا فرمان ہے
نحن معاشر الانبیاء لا نورث الخ بخاری ص $\frac{۶۶۵}{۲ج}$) پیغمبر کے مال
میں ورثہ نہیں دیا جاسکتا۔ حالانکہ آیت کریمہ میں بیٹی کا حصہ قطعی مذکور ہے
مگر حضرت ابُوبکرؓ نے اس آیت کریمہ کو اس سنی ہوئی حدیث سے مخصوص
کر دیا کیونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قطعی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ
بدائع الفوائد ص $\frac{۴۴}{۴}$ میں فرماتے ہیں کہ بعض نے خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ
کے عام کی تخصیص کے جواز پر اسی واقع سے استدلال کیا ہے کہ حضرت

صدیق اکبرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان لا نورث ماترکناہ صدقۃ
سے آیت میراث کی تخصیص کی ہے! لیکن بقول حافظ ابن القیمؒ ابن عقیلؒ
فرماتے ہیں کہ ایسا استدلال مستدل کی بیوقوفی ہے، کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ
نے آیت میراث کی تخصیص بالمشافہۃ سُنتے ہوئے کلام نبی علیہ السلام سے
کی ہے۔ اور وہ کلام نبی ان کے حق میں قطعی ہے، اور دلیل قطعی سے عموم
قرآن کی تخصیص میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہذا اسی طرح حضرت عمرؓ کا سُنا
ہوا فرمانِ نبوی آیت کریمہ کا مخصص بن گیا! اسی کو حضرت گنگوہیؒ فرماتے
ہیں کہ اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کہہ دیں تو کہہ سکتے ہیں ماسن
عام الاوقد خص عنہ البعض کا مقدمہ مشہور ہی ہے اس کے بعد
اصولِ فقہ کا مسلم قانون ہے، کہ عام مخصوص منہ البعض ظنی ہوتا ہے، اس
کے بعد پھر اخبار آحاد صحیح ہوں یا حسن کے درجے کی ہوں مخصص بن سکتی
ہیں! اسی لیے حضرت گنگوہیؒ نے حضرت عمرؓ کی مذکورہ روایت کو
برحال رکھتے ہوئے تخصیص کی صحت کا قول کیا ہے، اور خالفہا
الجمہور علی ذلک بھی حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گذر چکا ہے۔ یہی
مطلب ہے حضرت کاشمیریؒ کے اس فرمان کا جو نقل کیا گیا والضابطة
عدم السماع الا ان المستثنیات فیھا کثیرۃ اوکما قال
یعنی سماع موتٰی کو ضابطہ تو نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ ضابطہ وہ ہوتا ہے جس
پر فروع بالیقین اور ضرور مرتب ہوتے ہیں یہاں سمع اصوات کا ترتب
نہ کلی کہا جاسکتا ہے نہ اغلب بلکہ محض بمشیۃ اللہ ترتب ہوتا ہے اس کا یہ

معنی نہیں کہ سماع قطعاً منفی ہے جیسے کہ منکرین کا خیال ہے، انہی الفاظ سے منکرین نے حضرت شیخ کاشمیریؒ کو منکرین سماع موتی میں شمار کیا ہے۔ یہ محض نافہمی ہے۔ عنقریب مزید بیان آنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا جلسے جلوسوں میں عدم سماع موتی کے ڈنکے بجانا اور دوسروں کو قرآن مجید کے مخالف بنانے کی مذموم و ناشکور سعی کرنا قابل افسوس ہے! یہ تو ضغثٌ اقرب من نفعہ والی بات ہے۔

اطلاع: بعض محدثین کرامؒ نے حضرت عائشہؓ کے کلام پر تنقید بھی کی ہے کہ ان کا حدیث ما انتم باسمع منہم کا انکار کرنا اس لیے درست نہیں کہ وہ علم اموات کا مانتی ہیں کہ حضور کا فرمان انہم لیعلمون الآن ان ما اقول لہم حق ہے (صحیح بخاری ۲/۵۶۷) اور علم کا ثبوت محل کی حیوٰۃ کو چاہتا ہے، تو یہ سماع موتی کے مخالف نہیں، بلکہ ہر دو موافق ہیں؛ انکار جب صحیح ہوتا کہ ان میں تنافی ہوتی، ہر چہ باداباد فرمان حافظ ابن حجرؒ وخالفہا الجمہور علی ذلک گذر چکا ہے، نتیجۃ الکلام وخلاصۃ المرام ان حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل مسئلہ سماع موتی کا اعتراف کیا جائے لیکن اس کو ضابطہ کے درجے میں دائمی نہ رکھا جائے بلکہ بمشیئۃ اللہ سے مقید کیا جائے اور نہ صرف معجزہ کے طور سے کہا جائے جیسے کہ مورد حدیث کے ساتھ بعض نے خاص کر دیا ہے، یہ تخصیص بلا وجہ ہے، حدیث میں اس کے موارد اور بھی ثابت ہیں۔ اور نہ صرف سلام بھیجنے کے وقت کی تخصیص کی جائے اور نہ اول زمانہ دفن کے ساتھ مقید کیا جائے،

جیسے کہ شیخ ابن الھمامؒ حدیث قرع النعال کی توجیہ میں فرما گئے ہیں اگر سماع ان مذکورہ جزئیات کے ساتھ ہی مخصوص کیا جائے تو اس طرح کرنے سے تو وہی بات بن جائے گی جیسے ظاہریہ نے ربوا کو اشیاء ستہ میں بند کر ڈالا ہے کیونکہ حدیث البر بالبر والشعیر بالشعیر والملح بالملح والتمر بالتمر والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ میں صرف چھ چیزوں ہی کا ذکر ہے، مگر تمام ائمہ دینؒ ان کے خلاف ہیں! ہاں سماع کو بمشیۃ اللہ کے ساتھ مقید کہا جائے کیونکہ دار الاسباب سے باہر کی بات ہے، جمہور کا یہی قول ہے، حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں آپ نے پڑھ لیا۔ اور اتبعوا السواد الاعظم حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ نے پڑھا سنا ہوگا، جمہور اسی سواد اعظم کا نام ہے؟ جمہور کو زنبور کہہ کر اس سے جان چھڑانا دین کی خدمت نہیں دین کی تباہی کہی جا سکتی ہے! آپ کے پڑھائے سبق کو اپنایا گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں فرمان رسول من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا کا مصداق نہ بن جائے اعاذنا اللہ من ذٰلک!

صاحب ندائے حق ص ۳۰۳ میں جمہور کو زنبور کہہ چکے ہیں یہ ضد اور عناد کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے تسکین الصدور ص ۳۵۱ میں اس کا شکوہ کیا گیا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے! کہ سماع موتٰی کا انکار کیا جائے۔ جیسے

حضرت عائشہ ؓ کے کلام کو دیکھنے والوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے! اور اس کو حجت بنایا ہے! لیکن اس صورت میں بھی اس نفی کو الا ان یشآء اللہ سے مقید کرنا پڑے گا۔ نفی علی الاطلاق قطعاً باطل ہے۔ مستثنیات کثیرہ حدیث میں آچکی ہیں! بہر صورت یہ اجتہادی نظریہ ہے! نہ قرون اولیٰ میں اس طرح اس کو اچھالا گیا! نہ دنگل بنایا گیا! نہ اب اس کو محاذِ جنگ بنایا جا سکتا ہے بزرگوں کی قبروں پہ جا کر بیشک بعض لوگ غلط اقوال کہتے ہیں اور ناجائز اعمال کرتے ہیں! اس کی اصلاح یہ ہے! کہ ان اقوال و اعمال سے انہیں روکا جائے یہ جائز نہیں کہ ان کو قبور صلحاء کی زیارت سے ہی روکا جائے۔ اسی طرح موجودہ صورت میں سماع موتیٰ کا مسئلہ لوگوں کو غلطی میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ لوگ اعمال شرکیہ بدعقیدت اور جہالت سے کرتے ہیں پہلے بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے بعد مزید ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انفرادی رائے خواہ حضرت عائشہ ؓ ہی کی کیوں نہ ہو جمہور کے مقابلے میں قابلِ قبول نہ ہو گی۔۔

مسجد میں جنازہ پڑھنا

فقہاء کرام ؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں بعض احادیث بھی اس بارے میں نقل کرتے ہیں اور صاحب شرح وقایہ یحتمل تلویث المسجد کی علت بیان کر رہے ہیں! اگرچہ یہ علت قاصرہ اور نامام ہے لیکن مسئلہ دلائل سے ثابت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فوت ہوتے تو حضرت عائشہ ؓ نے صحابہ کرام ؓ کو پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ ہم بھی اس کار خیر میں شریک ہو سکیں۔ حضرات صحابہ کرام ؓ نے اس بات کو خلاف اصول

سمجھتے ہوئے ناپسند سمجھا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ہمیشہ جنازہ گاہ میں جاکر
جنازہ پڑھاتے رہے ہے حضرت اصحمہؓ نجاشی بادشاہ حبشہ کا غائبانہ جنازہ بھی
جنازہ گاہ میں ادا کیا گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا! حضرت عائشہؓ نے فرمایا
کہ لوگ بھول گئے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہیلؓ بن بیضاء کا
جنازہ مسجد میں پڑھا تھا، حقیقت یہ ہے کہ وہ بھولے نہیں تھے ایک
تو نہیں تھا کہ بھول گیا ہو! جمہور صحابہ کرامؓ کیسے بھول گئے وہ جانتے
تھے کہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ کا معمول یہی تھا کہ جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ادا
کی جائے! لیکن سہیلؓ بن بیضاء کے واقعہ میں کسی خاص عذر سے نماز
مسجد میں پڑھی تھی کسی نے اعتکاف کا عذر بیان کیا کہ آپ معتکف تھے
کسی نے بارش کا عذر بیان کیا۔ اس جگہ فقہائے کرامؒ نے حضرت عائشہؓ
کا فرمان چھوڑ کر جمہور صحابہ کرامؓ کے راستہ کو لیا ہے اور متفقہ مسئلہ لکھا کہ
مسجد میں جنازہ نہ پڑھا جائے۔ الا لعذر! آپ بھی شاید فقہاءؒ کے اس
نظریہ کو صواب کہتے ہوں گے! اس پر عمل کرتے ہوں گے۔ یہی جمہور
صحابہؓ کا مسلک ہے! مناسب ہے کہ اس کے مطابق سماع موتی کے
مسئلہ میں بھی جمہور صحابہؓ کی رائے کو اپنائیں بالخصوص کہ اس جانب صریح اور
صحیح روایات بھی ثابت ہیں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نامناسب ہے۔

نوٹ:۔ نجاشی کا جنازہ صرف حضرات کرامؓ کے حق میں غائبانہ تھا۔
ورنہ ان کا جنازہ حضور علیہ السلام کے سامنے تھا۔ چنانچہ مسند احمد ص $\frac{۲۴۶}{ج ۴}$)
میں بسند صحیح حضرت عمرانؓ بن حصینؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں،

ولا نظن الا انہ بین یدیہ ! نیز یہ بحث زاد المعاد ص۱۴۵ ج۱

اور نیل الاوطار ص۵۴ ج۴ میں بھی ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اس جگہ بعض لوگ حضرت عائشہؓ کی درایت کا سہارا لیکر سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں کہ مائی عائشہؓ کا یہی مختار تھا، مزید تائید کرتے ہیں کہ وہ موتیٰ کو حقیقی معنوں میں لیتی ہیں، اور مخالف لوگ موتیٰ سے کفار مراد لیتے ہیں کہ تشبیہاً بالموتیٰ ان کو موتیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقی معنی مجازی سے اولیٰ ہوا کرتا ہے حقیقت پر حمل کرتے ہوئے وہ اس سے سماع موتیٰ کی نفی کرتی ہیں۔ **الجواب** ! ہم حضرت صدیقہؓ کی ذہانت تفقہ سبقت علمی کا انکار نہیں کرتے، لیکن یہ جب ہوتا کہ بالمقابل کسی ایک صحابی کا قول اور رائے ہوتی۔ ہم نے تو یہ عرض کیا ہے، کہ بالمقابل صحیح اور صریح مرفوع روایت ہے، اور راوی حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوطلحہؓ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ قول جمہور صحابہ کرامؓ کا ہے خالفہا الجمہور من الصحابۃؓ کا حوالہ گذر چکا ہے۔ رہا یہ کہنا کہ وہ حقیقی معنی لیتی ہیں لہذا یہی اولیٰ بالقبول ہے ! اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی مراد نہیں جیسے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فھم لا یرجعون میں کہا گیا ہے اسی طرح یہاں آیت کریمہ میں انک لا تسمع الموتیٰ کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ مراد موتیٰ سے کفار ہیں۔ دیکھئے ابوداؤد شریف ص۸۸ ج۲ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے جب انہیں اندازہ ہوا کہ میری موت عنقریب ہے تو فرمایا کہ میرے لیے نئے

کپڑوں کا جوڑا تیار کر کے مجھے پہناؤ جب ان سے پوچھا گیا کہ اس وقت نئے لباس کی کیا حاجت ہے۔ تو فرمایا کہ حدیث میں ہے المیت یبعث فی ثیابہ التی یموت فیھا۔ میت کا حشر روز قیامت ان کپڑوں میں ہوگا! جن میں اس کی وفات ہوئی! اس لیے میں نے یہ نیا لباس طلب کیا ہے غور فرمائیں اگر حدیث کا یہی مطلب ہوتا تو دیگر صحابہ کرامؓ کا تعامل بھی اس پہ ہوتا! جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ یہ میری پرانی چادر دھو کر اس کو کفن میں لگا دینا! گھر والوں نے کہا یہ تو پرانی ہے تو فرمایا کہ زندہ نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ مجھے نئے کی کیا ضرورت ہے؟ (محصلہ بخاری ج۱ ص۱۸۶) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ فرمان ثیاب کو حقیقی معنوں میں لینے سے ہوا حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں تھا! بلکہ ثیاب سے مراد مجازی طور پہ اعمال ہیں! ورنہ اس پر بقیہ حضرات صحابہ کرامؓ کا تعامل بھی ہوتا اور وفات سے قبل ان کو جدید لباس پہنایا جاتا اسی لیے وثیابک فطھر آیت کریمہ میں بعض نے یہی اعمال اور پاکیزہ اخلاق مراد لیے ہیں اسی طرح آیت کریمہ انک لا تسمع الموتٰی میں عموماً محدثینؒ و مفسرینؒ حضرات نے کفار مراد لے کر اس کی توجیہ کی ہے کہ کفار کو موتٰی سے تشبیہ دے کر ان پہ موتٰی کا لفظ اطلاق ہوا ہے! اور آیت کریمہ میں نفی سماع سے مراد نفی انتفاع ہے جیسے علامہ سیوطیؒ نے فرمایا آیۃ النفی معناھا سماع ھدی یعنی کفار کو آپ ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے

ہو گا، اور نطق انور صفحہ ۱۰۱ پر حضرت شیخ انور صاحب کاشمیریؒ کا فرمان نقل
کیا ہے۔ آیۃ النفی فی نفی انتفاعھم ای اجابتھم
یعنی کفار آپ کے مواعظ حسنہ سے نفع یاب نہیں ہو سکتے مگر جس کو اللہ تعالٰے
اپنے فضل و کرم سے فیضیاب کر دے جیسے انک لا تھدی من
احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء میں ہے اسی طرح
اموات چونکہ دوسرے جہان میں جا چکے ہیں۔ آپ اپنی باتیں ان کو
نہیں پہنچا سکتے بایں طور کہ وہ انہیں تسلیم اور قبول کر لیں ہاں مگر جب
اللہ تعالیٰ چاہے آپ کی بات ان تک پہنچا دے اس سے معلوم ہوا
کہ حضرت شاہ صاحبؒ آیت کریمہ کو نفی سماع موتٰی پر محمول نہیں کرتے
بلکہ نفی انتفاع مراد لیتے ہیں حقیقت حال بھی یہی ہے کہ نفی سماع کی جیسے
مشبہ کی جانب معتبر نہیں کیونکہ کفار سنتے تو ہیں! مگر سننے پر عمل نہیں کرتے
اسی طرح مشبہ بہ کی بھی ہے کہ اموات سنتے تو ہیں لیکن دوسرے جہان کا
معاملہ ہونے کی وجہ سے انتفاع نہیں کر سکتے یہ بمشیۃ اللہ ہو گا! اور یہ سننا
ہمارے ادراک سے ماوراء ہے، اسی لیے جب کسی نے لا اکلم
فلانا کی قسم کی ہو تو بعد از مرگ فلاں کلام کرنے والا حانث نہیں ہوتا
مزید بیان انشاء اللہ بعد میں آئے گا۔ اس بیان سے اتنی بات معلوم ہو
گئی۔ کہ آیت کریمہ انک لا تسمع الموتٰی اور وما انت بمسمع
من فی القبور کو سماع موتٰی کے انکار کی دلیل صریح اور قاطع
بنانا اور اس کا ڈھنڈورا پیٹنا ایک غلط بیانی ہے، اگر حقیقت حال یہی

ہوتی جو آپ حضرات کا دعویٰ ہے تو مذکورہ حضرات اس کو ظاہر سے صرف
کر کے آیت کا رُخ دوسری طرف کیوں موڑتے صرف عن الظاہر دلیل ہے
کہ وہ حضرات ظاہر پہ محمول نہیں کرتے جیسے ابھی گذرا کہ المیت
یبعث فی ثیابہ التی یموت فیھا میں حقیقت
مراد لینا اسی طرح مردود ہے جیسے آیت میں حتمی طور پہ حقیقت مراد لینا
مردود ہے۔ ہاں اس معنی کو احتمال کے درجہ میں رکھیں تو ہم بھی انکار نہیں
کرتے پہلے گذر چکا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ انکار تو ہماری طرف سے
اس بات کا ہے! کہ یہ آیت، کریمہ پڑھ کہ سماع موتٰی کے قائلین کو بزور
الفاظ قرآن، کا مخالف اور دیوبندیت کے سلسلہ سے خارج اور مبتدع
کہا جاتا ہے حضرت نانوتوی ؒ کی ہدایت پہ عمل کیا جاتا کہ عوام کی مجالس
میں اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو کوئی فتنہ نہ بنتا جماعت میں افتراق پیدا نہ ہوتا
اصلاح کے لیے اور مسائل متفقہ کثیر التعداد ہیں اس لیے عدم سماع موتٰی پہ
صرف ہمت، محمود نہیں نفع سے زائد نقصان ہوتا ہے اور مزید ہوگا پہلے
بھی جیسے کہ گذر چکا۔ ہاں آپ کے پاس سماع موتٰی کے انکار پہ کوئی صحیح اور
صریح شرعی حجت ہے تو پیش کیجئے یہ آیت تو محتمل کے درجے میں
ہے اسی لیے صدر اول میں اختلاف ہوا۔ اس مقام میں ایک اور بات بھی
قابلِ ذکر ہے کہ سمع کے معنی جیسے گوش گذار کرنا ہوتے ہیں! اس طرح
سمع کے معنی مان لینا اور قبول کرنا کے بھی آتے ہیں! اردو کے محاورہ
میں کہتے ہیں! کہ میں نے فلاں کو یہ بات کہی لیکن اس نے میری نہ سنی

اے فلاں تم خود کہو تو وہ سُنے گا۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا کہ قیامت کے دِن کفار افسوس کرتے ہوئے کہیں گے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحب السعیر یعنی اگر ہم نے دوسروں کی نصیحت کی باتیں مانی ہوتیں یا اپنے عقل و دانش سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنم میں کیوں عذاب اٹھاتے! یہاں نسمع سے ماننا اور قبول کرنا ہی مراد ہے۔ کیونکہ صرف سننا تو عذاب سے نہیں بچاتا۔ اگر آیت کریمہ انك لا تسمع الموتٰی میں یہی معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے! کہ آپ کفار کو اپنی باتیں منوا نہیں سکتے! یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے دِل میں آپ کی بات ڈال دے وہ مان لے گا اور قبول کریگا۔ یہ اس کی مہربانی ہو گی!

دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (پ ۹ - الاعراف - رکوع ۱۳)

اور ہم نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سُنتے۔ یعنی نہیں مانتے اور نہیں قبول کرتے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلے میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا (فوائد عثمانیہ) اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی بسبب مُہر جباریت کے مردے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا ہے (تفسیر بلغۃ الحیران ص ۲۷۹)

اس صورت میں مزید قید لا تسمع سماعاً ینفعھم کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اگر سماع موتیٰ ضابطہ نہیں کہ ہر وقت سننا پایا جائے بلکہ ان شاء اللہ کے ساتھ مقید ہو تو اسی طرح عدم سماع بھی کلیہ نہیں ذخیرہ احادیث فی الجملہ سماع پر دال ہے۔ یہاں بھی الا ان یشاء اللہ سے مقید کرنا ضروری ہوگا۔

تعجب کی بات کہ مصنف رسالہ سماع موتیٰ ص۵ پر سماع موتیٰ کے غلط ہونے کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جمہور اہلسنت کے نزدیک مرنے کے بعد روح کو اس کے مستقر علیین یا سجین پہنچا دیا جاتا ہے قبر میں مدفون بدن ہے جو سننے کی صلاحیت سے محروم ہے اور روح جو سنتی ہے وہ وہاں موجود نہیں سبحان اللہ کیا ہی عجیب تحقیق ہے شاید معتقدین و مریدین نے واہ واہ بھی کی ہوگی! انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ علیین اور سجین جیل خانے کی شان رکھتے ہیں! دروازے کے اندر روح کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا! پہرہ دار بھی باہر بٹھا دیے گئے۔ کہ کوئی روح نکلنے نہ پائے پھر قبر کی طرف ارواح کب لوٹ سکتی ہیں؟ کیوں جناب؟ قبر میں جو مردہ دفن کیا جاتا ہے کیا یہ وہی تو نہیں ہوتا، جو جنازہ کی چارپائی پر لوگوں کے کندھوں پہ قدمونی کہا کرتا ہے اور یا ویلہا این تذھبون بھا کہتے ہوئے چیختا چلاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یسمع صوتھا کل شیئ الا الانسان ولو سمع

الانسان لصعق (بخاری ص۱۷۶ ج۱)۔ اگر روح علیین سجین میں بند ہے اور واپس نہیں ہوتی تو یہ چیخنا چلانا کون[1] کرتا ہے یہ تو قبر کو پہنچانے سے بھی پہلے آگئی۔ آپ نے تو وہی بات کہہ دی جو منکرین عذاب قبر کہا کرتے ہیں! اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ روح سُنتی ہے جو وہاں موجود نہیں تو قبر پہ جانے کے وقت سلام کس کو سُنایا جاتا ہے۔ حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت روح کو اس کے دفتر میں لیجاتے ہیں۔ تاکہ اس کا نام وہاں اندراج کیا جائے۔ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین! اسی طرح سجین بھی! ہاں ان دونوں کو فی الجملہ مستقر اور ٹھکانہ کہا جا سکتا ہے پھر سوچئے کہ اگر روح کا قبر میں بدن سے تعلق نہیں تو کیا محض دھڑ کو بلا تعلق روح کے عذاب ہوتا ہے اور محض دھڑ سے سوال وجواب قبر میں ہوتا ہے، آپ نے رسالہ سماع ص۷ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں! بدن نہیں سُنتے روح زندہ ہے وہ سُنتا ہے اگر قریب ہو آپ کے ص۵ والے قول کے روح وہاں موجود ہی نہیں تو قریب ہونے کے کیا معنی! اور سنتا ہے کا لفظ تو سماع موتیٰ پر دال ہے تو یہ آپ کے دعویٰ کے مناقض ہے! یہ بھی خیال فرمائیں کہ حدیث میں اس وقت میت کا بولنا چیخنا چلانا آتا ہے تو اس سے اس کی حیاۃ معلوم ہوتی ہے جب بول سکتا ہے تو سُن کیوں نہیں سکتا کئی لوگ بولنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن بات سُن لیتے ہیں! بیماروں میں ایسا واقعہ دیکھا سُنا ہوگا۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس وقت روح

---

[1] حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں اذ ثبت بالاحادیث ان المیت یعلم من یکفنه، ومن یصلی علیه ومن یحمله، ومن یدفنه (مرقات ص۱۹۸ ج۱)

کا اعادہ بدن کی طرف ہو چکا ہے، اور وہ بھی سُننے سے اتم درجے کا اگرچہ اعادہ کا وہ درجہ نہیں ہوا جس سے بدن حرکت کر سکتا تھا کھا پی سکتا تھا! اب وہ دوسرے جہان کی زندگی میں ہے جہاں یہ عوارض نہیں ہیں اس انداز سے کا اعادہ ہوتا ہے کہ منکیر ونکیر کے سوالات کا جواب دے سکے! اور آرام وتکلیف کا احساس کر سکے۔ آپ نے صفحہ ۵ پہ فرمایا کہ قبر میں مدفون بدن ہے جو سُننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور روح سنتی ہے جو وہاں موجود نہیں، جب روح وہاں موجود ہی نہیں تو سوال و جواب منکر ونکیر کا کس سے ہوگا؟ اور عذاب وثواب کس کو ہوگا، جو تواتر سے ثابت ہے۔

نتیجہ کلام۔ گذشتہ مفصل بیانات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ سماع موتٰی میں لب کشائی فائدہ مند نہیں بنتی دو ٹوک فیصلہ حق و باطل کا نہیں ہو سکتا، رسالہ سماع موتٰی والے اور اُن کے ہم خیال دوست حضرت عائشہؓ کے فرمان کا سہارا لیتے ہیں لیکن دوسری جانب بھی اکابر حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال مرفوع روایات کی شہادت کے ساتھ پائے جاتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ بھی رسالہ سماع موتٰی صفحہ ۱۸ کے حوالہ کے مطابق ان کی اکابر کی تصدیق فرماتے ہوئے تخصیص کے قائل ہیں۔ الغرض آپ کا گواہ بھی آپ کے خلاف ہی گواہی دے رہا ہے۔ رہا حضرت قتادہ رح کا قول جو آپ نے نقل کیا ہے کہ وہ اس سماع کو جو قلیب بدر والی روایت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ بطور معجزہ نبوی تھا اس واقعہ کے ساتھ سماع کو

مخصوص کرتے ہیں! سود مند نہیں۔ کیونکہ حضرت گنگوہیؒ اس پر مطمئن نہیں اسی
لیے فرماتے ہیں۔ کہ مسئلہ سماع موتٰی قرن اوّل سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے،
بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہو سکتا، لیکن آپ تو فیصلہ
کر چکے ہیں! کہ سماع موتٰی کے قائلین قرآن کے خلاف ہیں وغیر ذالک
من القبائح کے مرتکب ہیں۔ لیکن آپ کا گواہ آپ کے خلاف
بیان دے رہا ہے کہ فیصلہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح مولانا حسین علیؒ کی شہادت
بھی آپ کے خلاف ہے کہ روح زندہ ہے وہ سنتی ہے جب قریب
ہو، قائلین سماع بھی قریب کی قید لگایا کرتے ہیں۔ دور سے سننا کوئی
نہیں کہتا۔

صورت فیصلہ

صورت فیصلہ کی تشکیل سے پہلے یہ معروض خدمت
ہے کہ میں جانبین کی گروہ بندی میں نہیں ہوں۔ نہ
ایک جانب کا رکن نہ دوسری جانب کا معتمد علیہ ممبر۔ میری تحریر کو نہ کوئی
امداد سمجھے نہ کوئی مخالفت پر محمول کرے واللہ علی ما نقول
وکیل میں ایک ایسی عظیم شخصیت کا نام پیش کروں گا جو جانبین
کے شیخ استاذ یا شیخ الشیخ ہیں جس کے فرمان سے کوئی بھی سرتابی نہیں کر
سکتا اگر کرے گا تو خسر الدنیا والآخرۃ کا منظر دیکھ لے گا،
جس شخصیت کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا فرمان آب زر
کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ علامہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں۔
لم یر مثلہ ولم نر مثلہ۔ کہ نہ تو انہوں نے کبھی اپنے

جیسا شخص دیکھا اور نہ ہم نے ان جیسا کوئی پایا، وہ شخصیت حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہ کی گرامی قدر ہستی ہے۔ حضرت کو قرآن و حدیث کی واقفیت کے ساتھ ائمہ دین مجتہدین کے علوم کی گہرائیوں سے بھی پوری خبرداری تھی اس کے بعد مشائخ فقہائے کرامؒ کی آراء و افکار سے بھی پورے باخبر تھے۔ حضرت مشائخ دیوبندؒ کے مسلک کو نہ صرف جاننے والے بلکہ نبھانے والے تھے، اسی وجہ سے آپ مرجع الخواص والعوام ہے آپ کا فرمان آخری فیصلہ قرار دیا جاتا تھا چاہیئے کہ آپ حضرات بھی اس پر آمین کہیں! آپ مسائل اختلافیہ کو قصداً چھیڑا نہیں کرتے تھے! ہاں حدیث میں جب بھی تذکرہ آگیا، اس جگہ مالہٗ وما علیہ بیان فرماتے تھے اور اپنا رجحان بھی مختصر انداز میں بیان فرما جاتے تھے، ایک مسئلہ میں فرمایا اس میں مشائخ دیوبند کا اختلاف ہے، تھانہ بھون کا فتویٰ اور دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ مختلف ہے، وجہ دونوں کی بیان فرما دی۔ اور مجمل انداز میں ترجیح بھی بیان فرما دی کوئی سمجھا ہوگا۔ کوئی نہ سمجھا ہوگا۔ اور یہ اس لیے کہ کہیں لوگ اس کو کھینچ تان کر ممبروں پہ نہ لے جائیں پارٹی بازی نہ شروع کر دیں! الحمد للہ کہ اس مسئلہ میں ابھی تک قیل وقال کا میدان نہیں بنا یہ مسئلہ سماع موتیٰ کا جب بخاری شریف اور ترمذی شریف دونوں میں آتا تو بقدر ضرورت تحقیق فرماتے! بندہ نے بخاری شریف دو سال ۱۳۴۸ھ ۱۳۴۹ھ میں پڑھی سنی اور آپ کا فرمان ضبط کیا۔ فللہ الحمد! ایک اور مسئلہ میں فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ یہ فرماتے تھے اور میرا یہ خیال.

نہ ہے۔ بعض مسائل میں آرار کا اختلاف دلائل اور مصالح کے پیش نظر آہی جاتا ہے، یہ توہین نہیں ہوتی، دیکھئے کہ حضرات صاحبین امام ابو یوسفؒ و محمدؒ دونوں یا ایک اپنے شیخ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کر جاتے ہیں کبھی مشائخ فقہارؒ فتوی بھی صاحبینؒ کے مذہب پر دے دیتے ہیں۔ اس وقت مثالوں کی ضرورت اور موقع نہیں اہلِ علم جانتے ہی ہیں ا میں تو وہ ۲ دو مسئلے بھی بیان نہیں کرنا چاہتا جو ابھی مجمل انداز میں بیان کر دیے ہیں، کسی نے دریافت کیے تو عرض کروں گا، انشار اللہ تعالیٰ، اس وقت ان کا بیان مقصد میں دوری پیدا کر دے گا، حضرت شیخؒ کا رویّہ آپ نے دیکھا سُنا کس قدر محتاط تھے، اور شاگردی کا دعویٰ کرنے والوں کو دیکھیے کہ ایک ایسے مسئلہ میں جس میں اختلاف حق و باطل جائز و ناجائز کا ہے ہی نہیں، بلکہ راجح اور مرجوح کا ہے دونوں جانب اہل سنت کے شیوخ ہیں، ہر ایک کا مستدل کتاب وسنت اور صحابہؓ کی آرار ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کو پارٹی بازی تک پہنچا دیا ہے جلسوں کی زینت اور طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے، حالانکہ ان کی طرف سے نقل کردہ حضرات مشائخ کرامؒ کی عبارات خود ان پر حجت بن رہی ہیں۔ شائد وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں عقل وشعور نہیں جو ہم لکھ دیں گے تاکہ دیں گے، عوام کی طرف سے آمنا وصدقنا کا جواب مِل جائے گا، بیشک غلط چال سے آنکھوں پہ اندھیرا آجاتا ہے، عقل کام نہیں کرتی، دیکھیے سماع موتیٰ کے رسالہ صہ۲ پر حضرت گنگوہی کا فرمان نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں، بندہ کے نزدیک

مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں، مان لیجیئے کہ انہوں نے عدم سماع موتیٰ کو پسند کیا، اختیار کیا، لیکن اس کو احوط ہی فرما کر لیا، اس کو صواب اور مقابل کو باطل تو نہیں فرمایا، اور یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں کہ احوطیت کا حکم اجتہادی مرحلہ میں ہوتا ہے، اجتہادیات میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے، تو اس کو آپ حضرات نے کیوں فساد کا اکھاڑہ بنا دیا ہے حضرت نانوتویؒ کا فرمان بھی پہلے ہی گذرا کہ وہ اس کو مجالس عامہ میں لیجانے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور حضرت گنگوہیؒ کے لفظ احوط سے بھی اسی طرف اشارہ ہے یفعلون مالا یؤمرون کیوں کیا جاتا ہے اس میں وہ حضرات تو فیصلہ نہیں کر سکے اور آپ قطعی فیصلہ کر کے فریق ثانی کو کیا کچھ سناتے ہیں۔ شکایت یہ نہیں کہ آپ نے عدم سماع موتیٰ کو کیوں اختیار کیا، شکایت یہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں اسکو مدار اہل سنت نہیں بنایا گیا! اب بھی اس میں مزید کھینچا تانی نہیں کرنی چاہیئے اس خلافیہ میں حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا فرمان یہ تھا۔ کہ سماع موتیٰ کے مسئلہ میں اکثر مشائخ حنفیہؒ کا قول عدم سماع نقل کیا جاتا ہے یہ ٹھیک ہے لیکن بعض لوگ اس عدم سماع کو مذہب حنفیہ کہہ دیتے ہیں! یہ غلط ہے، مذہب وہ ہوتا ہے جو امام صاحبؒ سے صریحاً نقل کیا جائے! اس مسئلہ میں ایسا نہیں ہوا۔ متقدمین فقہاءؒ میں سے کسی نے صریح نسبت اس کی امام صاحبؒ کی طرف نہیں کی، متاخرین میں سے کسی نے کردی تو اس نے فقہائے احناف کے قول سے یہ سمجھا کہ

شاید یہ امام صاحبؒ کا قول ہوگا، حالانکہ اس کا اصل ماخذ وہ مسئلہ ہے، جو شیخ ابن ہمامؒ نے کتاب الایمان کے ایک جزئیہ میں بیان کیا ہے، کہ کسی نے حلف اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے بات کی تو وہ حانث نہیں ہوگا، اور وجہ یہ ہے کہ مبنیٔ ایمان کا عرف پر ہوتا ہے، عرف میں بات کرنا مشاہدۃ افہام وتفہیم کو چاہتا ہے، مرنے والے میں یہ بات نہیں پائی جاتی، اس لیے حانث نہیں ہوتا، پھر فرمایا، اصل حقیقت سماع ہے، کثیر روایات شہادت دیتی ہیں لیکن ضابطہ کلیہ کے طور پر نہیں، کہ جب ہم بات کریں وہ سن لیں! عالم اسباب میں مسبب سبب پر مرتب ہوتا ہے لیکن میت عالم اسباب سے نکل چکی ہے اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہی ترتب ہوگا اس طرح کے کلمات ہر سال درس حدیث میں بیان فرمایا کرتے تھے! ہم نے بھی دو سال سُنے اور تحریر میں ضبط کیے! فیض الباری میں حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحبؒ نے بھی اسی طرح آپ کی تقریر یہ ضبط فرمائی، اس سے پہلے مولانا محمد چراغ صاحب نے العرف الشذی میں بھی ارقام فرمایا۔ رسالہ سماع موتٰی صـ۱۶ پر امام صاحبؒ اور صاحبینؒ تینوں کی طرف عدم سماع کی نسبت کی گئی ہے۔ یہ محض غلط بیانی ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے صریح فرمان کے خلاف ہے! میری باتوں پر اعتماد نہ کریں، میں دو گواہ عادل نصاب شہادت پیش کر دیتا ہوں۔

العرف الشذی صـ۲۵۳ میں ہے! اشتهر على السنة الناس ان الموتٰی ليس لهم سماع عند ابي حنيفةؒ

وصنف ملا علی القاری رسالة وذکر فیها
ان المشهور لیس له اصل من الائمة اصلاً
بل احد هذا من مسئالة فی باب الایمان انه
اذا حلف انه لا یتکلم مع فلان فمات الرجل
فتکلم معهٗ علی قبره میتاً لا یحنث اقول الوجه
عدم الحنث ان مبنی الایمان علی العرف واهل
العرف لا یعلمون ان الموتٰی تسمع! والمحقق
ان اباحنیفة لا ینکر سمع الاموات وان خالف
ابن الهمامؒ فقال ان الموتی لا تسمع! وان
ذخیرة الحدیث تدل علی سمع الاموات
وقال الشیخ الموتٰی لا تسمع ویستثنی منه
قرع النعال والسلام علیکم، واقول لو قلنا
بسمع الاموات لا اشکال فانه ثبت بقدر
مشترک تواتراً فی الحدیث! ولا نتعرض الی
التخصیصات المتکلفة وسیما اذا لم یرد الانکار
عن ائمتنا الثلاثة! اما الآیات المشیرة الی عدم
السماع فلها محامل حسنة! اس سے معلوم ہوا کہ
ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ ابویوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف رسالہ سماع موتٰی
ص۱۶ پر کی گئی نسبت غلط محض ہے۔ جیسے پہلے عرض کر چکا ہوں۔

العرف الشذی کے اسی ص ۳۵۲ پر فتح القدیر سے نقل کیا ہے عن ابی حنیفہؒ ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلۃ ویدنیا من شیئا لیراہ المیت ! امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہیئے: کہ میت کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو تاکہ میت اس کو بآسانی دیکھ سکے۔ اور مصنف رسالہ سماع موتٰی کا قول گذر چکا ہے کہ قبر میں دھڑ پڑا ہے، روح وہاں موجود ہی نہیں غور فرمائیں جب حضرت امام ابوحنیفہؒ میت کے لیے دیکھنا ثابت کرتے ہیں تو سننا بھی کہا جا سکتا ہے ! اس وقت دلائل سے بحث نہیں حضرت شیخ کاشمیریؒ کی فرمودہ باتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے ! اس قسم کی فرمودہ باتوں کا تذکرہ فیض الباری میں بھی مذکور ہے، کچھ کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ لاتسمع الموتٰی سے مراد نفی انتفاع ہے اصل سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ یعنی سماعاً ینفعھم کی نفی ہے، دوسرا قول فرمایا لا تسمع سماعاً بحسب عالمنا ھذا یعنی اس جہان میں آپ جیسے سنایا کرتے ہیں اس طرح کا سنانا بعد مرنے کے نہیں ہو سکتا ! یہی وہ محامل ہیں جو العرف الشذی ص ۳۵۲ کے حوالے سے گذرے یعنی اما الآیات الی قولہ فلھا محامل حسنۃ افسوس کہ رسالۃ سماع موتٰی کے مصنف نے حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد الٹی بیان کر دی یہ نہ سوچا کہ حضرت مرحوم کی تقاریر ضبط میں آچکی ہیں۔ شاید میری تکذیب کی جائے۔

ان کی جماعت کے بعض حضرات نے جو حضرت شیخ کی شاگردی کا اعتراف بھی کرتے ہیں، غالباً ایسی باتیں حضرت شیخ سے ضرور ہوں گی نہ معلوم ان کو کیوں پس پشت ڈال دیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے ایسے گراں قدر موتیوں سے محروم رہ گئے ہوں اور اگر قصداً انحراف کیا ہے۔ تو جو اپنی منزلت کو حضرت شیخ سے بالا سمجھتا ہو وہ معذور ہوگا۔ لیکن دنیا تو ایسی بے خبر نہیں ہے شیخ عثمانیؒ کا فرمان گذر چکا

لم یر مثلہ، ولم نر مثلہ،

جیسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ باقی مصنفین کتب حدیث سے شان میں اونچے سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح قریبی زمانے میں حضرت شیخ کاشمیریؒ علم قرآن۔ حدیث، فقہ میں سب سے زائد دینی علوم کے مخزن اور سمندر تسلیم کئے گئے ہیں، انہی کی رائے سب سے مقدم اور وقیع سمجھی جائے گی العرف الشذی اور فیض الباری کے حوالے سے حضرت شیخؒ کی فرمودہ باتیں اس کی محتاج نہیں کہ ان کی تائید اور علماء حضرات سے نقل کی جائے کیونکہ آپ نقل میں نہایت ہی محتاط تھے، اور علم و فہم میں بے نظیر بمنزلہ معجزہ خداوندی تھے ہر ایک کو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا، آپ کا فرمان گذر چکا کہ سماع موتٰی کا انکار ائمہ مذہب سے مروی نہیں، ہاں فقہاء احناف کا قول ہے جنہوں نے کتاب الایمان کے مشہور مسئلہ سے عدم سماع موتٰی کا قول کر دیا۔ اس کو مذہب نہیں کہا جا سکتا!

اس سے معلوم ہو گیا کہ رسالہ سماع موتٰی کے مصنف نے مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ

کا جو فتویٰ ص ۲۱ پر جس عنوان سے نقل کیا ہے وہ بالکل بے سود ہے،
مولانا لکھنوی کے الفاظ یہ ہیں، فقہاء حنفیہ دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل
عدم جواز بریں بنا کہ سماع موتیٰ ثابت نیست چنانچہ در کتاب الایمان فتح القدیر
دالی) نوشتہ است مصنف رسالہ سماع موتیٰ نے اس کو انکار سماع موتیٰ
کی دلیل بنایا ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اکثریت ذخیرہ احادیث
کی سماع موتیٰ پر دال ہے، اور نیز گذرا کہ وہ شیخ ابن ہمامؒ کے قول کو پسند
نہیں فرماتے تھے کہ اس میں تکلفات بہت کرنے پڑتے ہیں! ہمیں اس
وقت بیان یہ کرنا ہے، کہ حضرت مولانا عبد الحیی صاحبؒ کا مختار بھی وہی ہے
جو حضرت شاہ صاحبؒ فرما چکے ہیں، ان کی عبارت آپ کے سامنے
آرہی ہے اس سے حضرت شیخ کاشمیریؒ کی تائید بھی ہو جائیگی، اور صاحب رسالہ
سماع موتیٰ کی تردید بھی کہ انہوں نے حقیقت کو نہیں سمجھا جلد بازی سے
کام لیا ہے جیسے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم کے فتوے
میں انہوں نے کیا ہے۔

مولانا عبد الحیؒ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الایمان ص ۲۲۳ ج ۲ پر فرماتے ہیں۔

وبالجملة لم يدل دليل قوى على نفي سماع
الميت وادراكه وفهمه وتامله لا من الكتاب ولا من
السنة بل السنن الصحيحة الصريحة دالة على ثبوته له
والحق في هذا المقام ان هذا كله من تقريرات

المشائخ وتوجيهاتهم وتكلفاتهم ولاعبرة
بها حين مخالفتها الاحاديث الصحيحة وآثار الصحابة
امّا ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذه الامور

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی قوی دلیل ایسی نہیں جو میت کے سماع، ادراک۔
فہم اور تامل کی نفی پہ دلالت کرتی ہو نہ قرآن سے نہ سنت سے۔ بلکہ سنت
کی صحیح اور صریح روایات تو سماع میت کے ثبوت پہ دلالت کرتی ہیں،
اور حق بات اس مقام میں یہ ہے کہ مشائخ نے قسم کے باب میں سماع موتی
کے بارے میں جو قول کیا ہے وہ محض ان کی اپنی تقریریں اور توجیہات ہیں اجو
محض تکلفات پہ مبنی ہیں، احادیث صحیحہ صریحہ کے بالمقابل ان کا کچھ اعتبار نہیں
اسی طرح آثار صحابہ کرامؓ کے بھی مخالف ہیں، رہا ہمارے ائمہ کا انکار تو وہ اس
انکار سے بری الذمہ ہیں۔ نیز عمدۃ الرعایۃ کے اسی صفحہ ۲۲۳/ج ۲ پہ ہے۔

وانما حكموا بالضرب والكلام والدخول عليه ونحوها
بعدم الحنث عند وجود هذه الاشياء بالميت
لكون الايمان مبنيةً على العرف والعرف قاض
على ان هذه الامور يراد بها ارتباطها مادام الحياة
لا بعد الموت. فالكلام بالميت وان كان كلاماً
حقيقياً ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف
يحكم بان المراد فى قوله، لا اكلمك هو الكلام فى
حالة حياته وكذا الايلام وان كان يتحقق فى الميت

لکن العرف قاض علی ان المراد فی قولہ لا اضربک
ھو ضربہ حیًّا لا میتًا!

یعنی یہ کہ کسی نے کہا کہ قسم ہے میں تجھے ماروں گا اور تیرے ساتھ
بات نہ کروں گا اور تیرے گھر نہ جاؤں گا۔ اور پھر اس نے یہ کام اس کے
مرنے کے بعد کر دیئے تو فقہاءؒ فرماتے ہیں، کہ وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں کسی کو مارنا اس کی زندگی میں مارنا سمجھا جاتا ہے
نہ کہ مرنے کے بعد اسی طرح کسی سے بات نہ کرنا اور گھر نہ جانا بھی عرف
میں دوسرے کی زندگی میں سمجھے جاتے ہیں، لہذا اس کے مرنے کے
بعد اگر یہ کام کر دیئے تو عرف کے اعتبار سے قسم کے خلاف نہ ہونے
کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا۔

باب دوم

دوسرا مسئلہ متنازعہ فیہا حیاۃ الانبیاء علیہم السلام فی قبورہم کا ہے کہ مثلاً
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کا صلوٰۃ وسلام
سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں؟ یا نہیں! حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کی حیاۃ قبر شریف میں روحانی ہے؟ یا جسمانی؟ یہ مسئلہ گذشتہ طویل
عرصہ سے علماء دیوبند اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلانے والوں میں آپس
میں معرکۃ الآراء رہا ہے۔ بالآخر بعض حضرات اکابرین کی مساعی جمیلہ سے یہ
طے ہو کر اتفاقی صورت میں آگیا۔ الحمد للہ تعالیٰ علی ذٰلک
ماہ جون ۱۹۶۲ء میں حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحبؒ دار العلوم دیوبند
پاکستان تشریف لائے اور جانبین سے گفتگو کر کے مندرجہ ذیل عبارت پر

جانبین سے دستخط کرائے وللہ درّہ وجزاہ اللہ احسن الجزاء
متن عبارت ہمارا کہ یہ ہے۔ وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیاۃ حاصل ہے اس
حیاۃ کی وجہ سے روضۂ اطہر پہ حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام
سُنتے ہیں۔ دستخط کنندگان کے اسماء گرامی (۱) مولانا محمد علی جالندھریؒ۔
(۲) مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ قلعہ دیدار سنگھ (۳) مولانا غلام اللہ خان صاحب
راولپنڈی۔ اس وقت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب موجود نہ تھے
ان کی جماعت والوں نے اُن کے دستخط کرانے کی ذمہ داری لی وثیقہ
مذکورہ میں یہ تحریر موجود ہے۔ مزید کچھ اور الفاظ اس ذمہ داری کی تکمیل کے
متعلق بھی لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس مقصد خیر
میں کامیاب نہ ہو سکے، کیونکہ آجتک مذکورہ فیصلے کے خلاف شاہ صاحب
کی جانب سے ندائیں اُٹھتی رہتی ہیں ان کی جماعت کا سارا زور ہی اسی پہ
صرف ہوتا ہے چنانچہ ان کی جماعت کے معتمد علیہ وکیل جناب سجاد صاحب
بخاری اور جناب نیلوی صاحب مصنف رسالہ سماع موتٰی ص ۲۵ پہ حضرت
امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول اپنے مسلک کے بیان اور تائید میں لکھتے ہیں کہ ابن
تیمیہؒ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں اس بات پہ کوئی دلیل نہیں کہ جو شخص حجرہ شریف
سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود وسلام بھیجتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اس کے سلام کو سُنتے ہیں۔ شاید جماعت والوں نے اس حوالہ پہ خوشی بھی
منائی ہوگی۔ تعجب کی اولاً بات تو یہ ہے کہ نقل کرنا تو جانتے ہیں۔ لیکن

دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رکھتے۔ اس کے بعد متصلاً لکھتے ہیں حافظ ابن عبدالہادیؒ نے فرمایا قبر مبارک سے دُور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے۔ وہ آپ خود نہیں سنتے۔ (سبحان اللہ) قبر مبارک سے دور کی بات نقل کر دی کہ اس میں نہیں سنتے کا لفظ ہے کیا یہ مفید ہو جائیگا؟ جناب اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبر مبارک کے پاس درود و سلام پڑھنے والوں کا درود و سلام آپؐ خود سُنتے ہیں یہ کلام تو ابن تیمیہؒ کی بات کی نقیض ہے اور اس کی تردید کر رہی ہے اور یہ آپ کے زعم کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔ دور اور باقی مسجد سے سلام نہ سُننے کی قید کا مفہوم کیا ہے وبضدها تتبیّن الاشیاء آپ کی لاٹھی آپ ہی کے لیے وبال بن رہی ہے۔ دو متناقض باتیں ایک جگہ جمع کر دیں دُور جگہ ہوتی تو بھُول جانے کا احتمال ہو سکتا ہے یہ نظر کی کمزوری ہے مزید افسوس یہ ہے کہ مصنف رسالہ سماع موتٰی نے خیانت بھی کی ہے علامہ ابن عبدالہادیؒ کے کلام میں اوّل یہ بات بھی مذکور ہے کہ عند القبر آپ سلام سنتے ہیں دیکھیں تسکین الصدور صـ ۳۴۶ وثانیاً عرض یہ ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ تو روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا اسے بھی ناجائز و منہی عنہ کہتے ہیں۔ ان کا اور ان کی جماعت والوں کا یہ مقرر اصول ہے ان سے اگر ایسی بات منقول ہے تو اس کو تفرد ہی سمجھا جائے جیسے کہ بنیّت زیارت روضہ اقدس کے سفر کرنے کی ممانعت میں وہ تفرد کر گئے ہیں اس طرح اس میں بھی سمجھیں ہاں اگر

آپ اس میں ان کے ساتھ ہیں تو ہمت وجرأت کا ثبوت دیجئے کہ اس کا اعلان کیجئے، مگر جمہور اکابرین امت تو اس کے خلاف ہیں وثالثاً یہ کہ امام ابن تیمیہؒ کا قول آپ کے نقل کردہ مضمون کے خلاف جمہور کے موافق سرور ہے مناسک الحج طبع دہلی ص۸۴ میں ہے کہ انہوں نے فرمایا ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل لحوم الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذٰلک من البعید بحوالہ تسکین الصدور ص۳۱۶ بلکہ تسکین ص ۲۹۵/۲۹۶ پر مزید لکھا کہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔ اتفق الائمۃ علی انہ یُسلم عند زیارتہ علی صاحبیہ لما فی السنن عن ابی ھریرۃ رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من رجل یسلم علیّ الا رد اللہ تعالیٰ علیّ روحی حتی ارُدّ علیہ السلام وھو حدیث جید (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ص ۳۶۱/۴ ج م) ما من رجل یسلم علیّ سے عند القبر ہی مراد ہے جیسے کہ ابھی ان کی عبارت میں گذرا۔ ہاں بصورت ثانیہ آپ کو جب دُور سے فرشتے کسی کا سلام پہنچائیں تو آپ جواب دیتے ہیں حافظ ابن تیمیہؒ تو عام سماع الموتیٰ کو بھی حق کہتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں وسماع المیت للاصوات من السلام والقرأۃ حق (اقتضاء الصراط المستقیم طبع مصر ۱۸۱) تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبور سماع میں ان کا

کیا اختلاف ہو سکتا ہے ؟ اس سے معلوم ہوا کہ رسالہ سماع موتی کے صٓ ۲۵ پر جو
امام ابن تیمیہؒ کا قول مصنف رسالہ نے اپنی تائید میں لکھا ہے وہ انہوں نے
غلط نسبت کی ہے ورآبگاہ یہ بھی غور فرمائیں کہ مصنف رسالہ صٓ ۱۰ پر لکھتے
ہیں مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا
اور کسی آدمی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتا ہے درست نہیں ۔
(سبحان اللہ) معلوم ہوتا ہے کہ مصنفِ رسالہ نے یہ باتیں نیم خوابی کی حالت
میں لکھی ہیں صرف اخیر کے لفظ (وہ سنتے ہیں درست نہیں) کو دیکھا اور
مفید مطلب سمجھ لیا اور نقل کر دیا۔ ان کے اوّل کلام کو نہیں دیکھتے کہ وہ
فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے سوا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرات
انبیاء علیہم السلام تو سلام سنتے ہیں ہاں وہ غیر کی نفی کر رہے ہیں آپ
لوگ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا سننا بھی نہیں مانتے جیسے کہ امام ابن تیمیہؒ
کی عبارت سے آپ نے صٓ ۲۵ پر استدلال کیا ہے جس کی تردید گزر چکی
ہے آپ کی یہ لاٹھی بھی آپ کے خلاف ہے اور آپ کے گواہ بھی آپ کے
خلاف گواہی دے رہے ہیں سانپ کو لاٹھی سمجھ کر ہاتھ ڈالا گیا ہے اللہ
ہی حافظ ہو۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ تو یہ
تحریر فرماتے ہیں کہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ
نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر دیا ہے
کہ اس کو ایسی قوت سامعہ عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوٰۃ وسلام
سن کر حضرت نبوی میں عرض کر دیتا ہے اور آنحضرتؐ جواب دیتے ہیں

الیٰ قوله کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ اہل سنّت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر میں زندہ ہونا باطل ہو جاتا ہے الخ کفایت المفتی ص۱۶۰ ج۱ ۔ کیا اس عبارت سے بقول حضرت مفتی صاحبؒ اہل سنّت والجماعت کا مذہب قبر مبارک میں آپ کی حیات اور عند القبر سماع ثابت ہو رہا ہے یا اس کا انکار؟

خامساً اسی قسم کی ایک اور بات کو بھی دیکھتے جائیں رسالہ سماع موتیٰ کے ص۹ پر لکھتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ تفسیر میں فرماتے ہیں۔ بدن نہیں سنتے۔ روح زندہ ہے وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ مختصراً۔

جناب من۔ روح کا قریب سے سننا جیسے انہوں نے فرمایا۔ یہ سماع پہ دلالت کرتا ہے یا عدم سماع پر یہ توجیہ القول بما لا یرضی به قائله کیوں؟ جو لوگ سماع موتیٰ کے قائل ہیں وہ بھی تو قریب سے ہی سماع کہتے ہیں۔ رہا بدن کے اجزاء کا سننا تو یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہاں تعلق روح بالبدن کے قائل ہیں۔ اس حیثیت سے مُردوں کا سُننا کہتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے ان کا رسالہ سماع موتیٰ ص۹ پہ یہ نقل کرنا اجزاء البدن لا سماع لها محل نزاع سے خارج کی بات ہے کیونکہ گھٹنے ٹخنے وغیرہ اعضاء زندوں کے کب سنتے ہیں؟ الغرض حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی مصنف

رسالہ سماع موتی کے خلاف شہادت دے رہا ہے تین گواہوں کی گواہی آپ کے خلاف ہے بالخصوص ان کا قول رسالہ صہ ۵ میں یہ ہے روح جو سنتی ہے وہ وہاں (قبر کے مقام پر) موجود نہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں روحیں جہاں کہیں ہوں الخ جب ان کا مقام ہی کہیں معلوم نہیں تو وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ کیسے صادق آئے گا۔ جیسے ابھی حضرت مرحوم کے کلام میں لکھا گیا۔ وساوس کا ایک اور بات بھی دیکھتے جائیں صہ ۱۶ پر فَاِنَّكَ لا تسمع الموتی آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں (پس مردہ نہیں سُنتا ہے) یہ تو آپ کی ذہنی مفروض بات ہے۔ یہ آیت کا ترجمہ نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے کہ تم سُنا نہیں سکتے اور مردہ نہیں سنتا جو ترجمہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ مجرد کے صیغے کا معنی ہے اس کے علاوہ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ صہ ۱۶ رسالہ سماع موتی پر آیت فانک لا تسمع الموتی کا ترجمہ نیلوی صاحب یہ کرتے ہیں (پس مردہ نہیں سنتا ہے) پس فاء کا ترجمہ کیا اور مردہ نہیں سنتا یہ لا تسمع الموتی کا ترجمہ کیا اور غلط کیا ہے اور کاف خطاب کا ترجمہ چھوڑ ہی گئے کہ اس میں منہ پر چپت لگتی ہے اس کو اڑا ہی دیا ترجمہ یہ بن جاتا ہے پس آپ مردہ نہیں سنتا ہے سبحان اللہ کیا ہی بلیغ کلام بن گیا علمی عنوان سے یہ کلام اس طرح ہوگا کہ خبر انّ کی جملہ ہو تو اس میں ضمیر ہوتی ہے جیسے کہ انک لا تھدی من احببت اور مردہ نہیں سنتا میں یہ نہیں پائی جاتی جبھی تو معنی بے جوڑ اور رکیک بن گیا یعنی پس آپ مردہ نہیں سنتا اور انک لا تسمع

الموتیٰ میں ضمیر موجود ہے یعنی آپ مردوں کو سُنا نہیں سکتے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو معنیٰ خیز اور مربوط ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ موتیٰ جمع یا اسم جمع کا لفظ ہے قرآن میں فرمایا والموتیٰ یبعثھم اللہ (یوم القیمۃ) پ رکوع ۱۰ سورۃ انعام رکوع ۴ ضمیر جمع کی لوٹائی گئی ہے دوسری جگہ فرمایا انا نحن نحی الموتیٰ ونکتب ما قدموا واثارھم پ۲۲ سورۃ یٰسین رکوع ۱ یہاں بھی جمع کی ضمیریں لائی گئیں اور رسالہ کے ص۱۶ پر ترجمہ میں مردہ نہیں سنتا اس کو مفرد بنایا گیا ہے الغرض مزید اور مجرد کا فرق نہ کرنا جمع اور مفرد کی تمیز نہ کرنا اور کاف خطاب کو نظر انداز کرنا یہ سب باتیں ترجمہ کرنے والے کی غلطیاں ہیں اور یہ تحریف ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے یہ ترجمہ نہیں کیا اور یہ تحریف نہیں کی۔ حاشا و کلّا انکی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے یہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ترجمہ کیا گیا ہے کہ عوام یہ سمجھیں کہ مردہ نہیں سنتا اور یہ کلام اللہ کا منطوق مسئلہ ہے تاکہ یہ کہا جا سکے کہ سماع موتیٰ کے قائلین قرآن کے صریح حکم اور بیان کی مخالفت کر رہے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت کریمہ کا مفہوم نہیں بدلا اور نہ اس طرح بدلا جا سکتا ہے بلکہ وہ تو مراد میں کلام فرماتی ہیں کہ مردوں کو تم نہیں سنا سکتے سے مراد یہ ہے کہ وہ سُن نہیں سکتے کیونکہ وُہ بے جان ہیں لیکن جمہور صحابہ کرامؓ اور امت نے ان کی اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ خالفھا الجمھور فتح الباری ص۲۷۷ ج۳، جمہور یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے

کہ ہماری جانب سے قصور ہے کہ وہ میت دار الاسباب سے نکل چکی ہے۔
سنانے پر سننا یقینی نہیں ہے یہ نہیں کہ اس میں صلاحیت ہی سماع کی
نہیں کیونکہ تعلق روح بالجسد باقی رہتا ہے اس لیے سماع منفی نہیں ہاں
اسماع منفی ہے قرآن کریم نے بھی اسماع کو منفی کہا ہے نہ کہ سمع کو جیسے
کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے فرمایا نفی القرآن العزیز الاسماع
من العباد وما افصح فی موضع بنفی السماع عن الاموات الخ
(فتح الملہم ص ۴۷۹ ج ۱) یعنی قرآن کریم نے بندوں سے اسماع کی
نفی کی ہے اور کسی جگہ بھی اموات سے سماع کی نفی کی تصریح نہیں کی۔
چہارم :۔ یہ بات بھی سوچیں کہ اگر مزید (اسماع) اور مجرد کا فرق نہ کیا جائے
اور یہ کہا جائے کہ لا تسمع الموتیٰ کا معنی یہی ہے۔ کہ مردے نہیں
سنتے جیسے کہ ترجمہ کرنے والے نے رسالہ سماع موتیٰ ص ۱۶ پر لکھا ہے تو
اس کے بعد والی آیت کریمہ ان تسمع الا من یؤمن بآیاتنا
کا بھی اسی کے مطابق معنیٰ کیا جائے گا۔ کہ سننے والے صرف مومن ہی ہوتے
ہیں اس وقت اس آیت کریمہ میں یہ مومن سننے والے بھی مردہ ہی مراد ہونگے
ورنہ یوں فرماتے مردے نہیں سنتے زندہ سنتے ہیں۔ اس طرح اول
آیت انک لا تسمع الموتیٰ میں مومنوں کے بالمقابل کفار مراد
لینے ہوں گے کہ کافر مردے نہیں سنتے ہاں مومن مردے مدفون سنتے ہیں
اس طرح یہ آیت مومنین اہل قبور کے سننے پر قطعی نص صریح بن جائیگی۔
یہ الزاماً کہا گیا ہے۔ ورنہ مراد تو یہ ہے کہ کافر آپ کی فرمودہ باتوں کو نہیں

سنتے اور نہیں مانتے ہاں مومنوں کو آپ کی ہدایات نافع بن جاتی ہیں.
وہ سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں لیکن اس وقت آیت کو سماع موتیٰ کی
نفی پر دلیل بنانا غلط ہو جاتا ہے یہ باتیں ضمنی طور سے آگئی ہیں اصل بیان
یہ تھا کہ جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے مذکورہ بالا فیصلہ کو جو
اکابرین ملت اور فضلاء کرام نے مصالحت کے لیے تجویز کیا اور وہ
منظور ہوا اس کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا اعجاب کُل ذی رایٍ برأیہ
الحدیث ۔ والی بات صادق آرہی ہے بعض لوگوں کو اس سے تعجب
ہوگا لیکن یہ کوئی بعید بات نہیں. ان بقیہ حضرات کو انہوں نے اپنے
امثال سمجھکر اپنے اختلاف کو نہیں چھوڑا ۔ جس کو ضد کہتے ہیں اور اس کا
دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ
حضرت سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جن کے آگے علمی دنیا کے
فضلاء اور مشائخ کرام سرنگوں ہوئے بلا وجہ وجبیہ کے خلاف چال چل
رہے ہیں ۔ جو یہ فرماتے ہیں اقول والاحادیث فی سمع الاموات
قد بلغت مبلغ التواتر الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں کہتا
ہوں کہ سماع الموتیٰ کے بارے میں احادیث بلاشبہ درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی
ہیں، اور اپنے دوسرے مایۂ ناز استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رہ کے
مسلک کے بھی خلاف چل رہے ہیں جو یہ فرماتے ہیں ان سماع الموتیٰ
ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ الخ ۔
(فتح الملہم ص ۴۷۹ ج ۲) اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف

ہیں حیات کے بارے صاف لکھتے ہیں وھو حیؐ فی قبرہ الشریف
(فتح الملہم ص۴۹۸ ج۲) اوروں کی شکایت کا کیا موقعہ ہے۔ جب کہ ایک مدعی
تلمذ کا یہ حال ہے۔ ؎

من از بیگانہ گاں ہرگز نہ نالم
ہر آنچہ کرد با ما آشنا کرد

ان حالات میں لکھو ولے دین والی عبارت ہی
بن گئی اس سلسلہ میں کچھ مزید باتیں عرض کرنے کا خیال تھا لیکن حالات مذکورہ
کو دیکھتے ہوئے لکھنا بے سود نظر آتا ہے جو بقصد ہو اس کا علاج نہیں۔

والله الموفق

چند دنوں یہی خیال رہا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیاۃ فی القبور کا
نازک اور باریک مسئلہ اکابرین ملت و علماء راسخین بالخصوص حضرت نانوتویؒ کی
دقیق انظار عمیق افکار خداداد فراست اور ذکارسے اُن کی کتاب آب حیات
میں محقق ہو کر طے ہو چکا ہے جن لوگوں کو ان کے الہامی حقائق سے شرح
صدر نہیں ہوا۔ تو وہ کسی اور کی باتوں سے کیا مطمئن ہوں گے بالخصوص
جب کہ ان کے بعد ان کے پوتے جو اذکیاء عصر ہونے کے ساتھ اپنے
جد امجد کے علوم و معارف سے پورے باخبر ہیں۔ یعنی حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء کرام کا متفقہ اجماعی
فیصلہ بھی اس بارے میں معرض وجود میں آچکا ہے جس کا تذکرہ گذشتہ گذر
چکا ہے لیکن فریق ثانی کے راہنماؤں نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔

وہ اپنی باتوں کو وحی خداوندی سمجھ رہے ہیں اس میں ذرہ برابر ترمیم کو تیار نہیں تو ایسے حالات میں ہماری گذارشات کیا فائدہ دے سکتی ہیں خاموشی ہی بہتر ہے لیکن چند دنوں کے بعد دوسرا خیال یہ آیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے معروضات تو پیش کر دوں شاید کسی سلیم الطبع اور منصف مزاج کے لیے فائدہ مند بن جائیں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم النصح لکل مسلم کے فریضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ومنہ الاصابۃ والصیانۃ

حیاۃ انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنی قبور میں ایک حقیقت ہے جس کی تحقیق حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مدظلہ العالی نے ادلہ سمعیہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں کر دی ہے مزید ضرورت (تو) نہیں لیکن چند باتیں اور بھی نظر آتی ہیں۔ خیال ہوا کہ گوش گذار کر دوں شاید مزید طمانیت کا فائدہ دیں معلومات میں کچھ زیادت تو ہی جائے گی۔ اس کو دلیل اقناعی مفید ظن سمجھتا ہوں مبنیٰ اس کا بھی کتاب اور سنت صحیحہ ہی ہے لیکن بالتصریح نہیں کچھ نقل کے ساتھ عقل سے بھی کام لینا ہوگا۔ دل قبول کرے تو مانیں نہیں تو بالائے طاق رکھ دیں، قرآن کریم نے موت اور نیند کو ایک بات میں جمع کر رکھا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ بدن میں جو نفس مدبرہ ہوتا ہے وہ قبض فرما لیتے ہیں اس کی واپسی وصولی کر لیتے ہیں۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم

تمت فی منامها الآیۃ۔ بدن کے تصرف کے لیے جو نفس ابدان
میں ہوتے ہیں بوقت موت اور نیند ان کو اللہ تعالیٰ واپس لے لیتے ہیں۔
نیند والا مقبوض نفس پھر واپس بدن میں کر دیتے ہیں تاکہ اپنے حوائج دنیویہ واخرویہ
پورے کرتا ہے اور موت کی حالت کا مقبوض واپس نہیں کرتے حضرت
شیخ سیّد محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ لفظ توفی کا اطلاق موت
پر جس کا معنی پورا لے لینا ہے یہ قرآن کریم نے ہی بتایا ہے کہ موت میں کچھ
وصولی ہوتی ہے ورنہ عرف عام میں موت زوال الحیاۃ ہی کو سمجھتے ہیں یہی
معنیٰ آیت کریمہ یاعیسٰی انی متوفیک الخ میں لیا گیا ہے کہ اے عیسٰی
میں تم کو پورے کا پورا لے لینے والا ہوں آیت کریمہ اللہ یتوفّی
الانفس حین موتھا میں توفی کا معنی موت کا نہیں کر سکتے۔ کہ
نفس کی موت نہیں ہوتی۔ بدن سے علیحدگی ہو جاتی ہے موت کا معنی
حین موتھا کا مفہوم ہے توفی کا معنیٰ صرف لے لینا ہے۔ اسی
کو وصولی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بدن میں ڈالا تھا۔
موت کے وقت اس کو واپس کر لیتے ہیں۔

نیند میں قبض روح (نفس) کے تین درجات ہیں (۱) ایک عام
جو علی العموم دیکھا پایا جاتا ہے۔ کہ سونے کے وقت کھانا پینا چلنا پھرنا بولنا
دیکھنا یہ آثار نمودار نہیں ہوتے ہاں بدن میں زندگی بہر حال رہتی ہے قوۃ ہاضمہ
اپنا کام کرتی رہتی ہے ایک مخصوص مقدار کے بعد جاگتا ہے بھوک پیاس
کا تقاضا ہوتا ہے۔

(۲) قرآن کریم نے ایک نیند ایسی بتائی کہ طویل عرصہ تک نہ بھوک لگے نہ پیاس جیسے اصحاب کہف کہ تین سو سال سے زائد عرصہ نیند کرتے رہے نہ کھایا نہ پیا قرآن کریم میں ہے تحسبهم ایقاظا وهم رقود تم ان کو جاگتے ہوئے سمجھو گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں ولبثوا فی کهفهم ثلث مائة سنين وازدادوا تسعا تین سو شمسی سال ہیں اور زیادہ قمری کے حساب سے ۔

(۳) تیسری قسم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند ہے اس میں بھی حسب ضابطہ مذکورہ قبض النفس پایا گیا ۔ لیکن نہایت ادنیٰ درجہ کا ۔ حدیث میں ہے ۔ تنام عیناى ولا ینام قلبی یعنی نیند کی حالت میں میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں دیکھنا نہیں ہوتا لیکن میرا دل بیدار ہوتا ہے تنام عیناى واذناى نہیں فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ کان بدستور سابق اپنا کام کرتا رہتا ہے جیسے قلب مبارک کے بارے لا ینام قلبی آہی چکا ہے کان کا کام سماع اصوات ہے ۔ عام طور پر سوئے ہوئے شخص کے پاس باتیں کی جائیں وہ خبر دار نہیں ہوتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں ایسا نہیں تھا ایک حدیث جو بخاری ص ۵۰۲ میں ہے اور مفصل روایت مشکوٰۃ ص ۲۷ میں ہے عن جابر جاءت ملئكة الى النبى صلى الله عليه وسلم وهو نائم فقالوا ان لصاحبكم هذا مثلا فاضربوا له مثلا قال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان الخ اسی طرح مشکوٰۃ ص ۲۹ عن الدارمی کی روایت ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں دو اور آدمیوں کے درمیان سوئے ہوئے
تھے کہ تین فرشتے آ گئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ آدمی جس کی
تلاش میں ہم آئے ہیں کون سا ہے دوسرے نے کہا کہ وہ شخص ان تین
میں سے درمیانہ شخص ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اس کی مثال بیان کرو کہ سمجھ جائے
پھر ایک نے کہا وہ تو سویا ہوا ہے دوسرے نے جواب دیا کہ سویا ہوا ہے
لیکن اس کا دل جاگتا ہے۔ مثال بیان کرو پھر مثال بیان کی اور چلے گئے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی یہ باتیں نیند کی حالت میں سنیں تھیں اور بعد میں بیان فرمائیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ سب باتیں سنیں اور بعد میں بیان فرمائیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکذیب نہیں فرمائی کہ میں سویا ہوا نہیں تھا۔
جاگتا تھا یونہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ یہ مذکورہ بات بتاتی ہے کہ آپ ﷺ
نے ان کے کہنے کی تصدیق کی کہ یہ نیند میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے سوئے ہوئے ان کی یہ مذکورہ باتیں سنی تھیں معلوم ہوا کہ آپ کی نیند
سماع اصوات سے مانع نہیں تھی یہ بات عام طور سے نہیں پائی جاتی۔
دوسری بات یہ بھی دیکھیں کہ ہم لوگ جب سو جاتے ہیں تو بدنی حالات
سے خبرداری نہیں ہوتی اس لیے فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ سونے سے
وضو ٹوٹ جاتا ہے حدیث میں فرمایا فانہ اذا نام استرخت مفاصلہ
یعنی جب آدمی سو جاتا ہے تو بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ بدن
سے ہوا کا خروج ہوا ہو اس لیے وضو کے ٹوٹ جانے کا حکم دیتے ہیں
لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں تھی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے

(دیکھیے نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۳۸، معالم السنن ج ۱ ص ۲۵۱ للخطابیؒ، سبل السلام للامیر یمانیؒ ج ۱ ص ۹۳، و نیل الاوطار للشوکانیؒ ج ۱ ص ۲۱۱، و العرف الشذی ص ۶۷ للعلامۃ الکشمیریؒ و فتح الملہم ج ۲ ص ۲۴۱ للعلامۃ العثمانیؒ و اللامع الدراری ج ۱ ص ۸۴ لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ) اس کا ماخذ وہ حدیث ہے۔ جو صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴ و مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵ میں ہے واللفظ للبخاریؒ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۶ میں ہے ثم اضطجع فنام حتی نفخ وکان اذا نام نفخ فاٰذنہ بلال بالصلوٰۃ فصلّی ولم یتوضأ متفق علیہ حاشیہ میں ہے لما کان قلبہ یقظان ولا ینام لم یکن نومہ مظنۃ فی حقہ۔ وھذا من خصائصہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اذان صبح کی ہوتے ہی دو رکعت سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر کبھی وظیفۂ رات کے تھکان کی وجہ سے لیٹ جاتے تھے لیٹے ہوئے کبھی سو جاتے تھے پھر جماعت کا وقت ہوتا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر جگاتے آپ جاگ کر جاتے ہی نماز شروع کر دیتے تھے وضوء کا کہنا نقل نہیں کرتیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں تصریح ہے۔ ثم اضطجع فنام حتّٰی نفخ ثم اتاہ المنادی فاٰذنہ، بالصلوٰۃ فقام معہ الی الصلوٰۃ فصلّی ولم یتوضأ (بخاری ج ۱ ص ۲۵) اس جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اجماع ہے کہ آپ کا وضوء نیند سے نقض نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ کہی جاتی ہے۔ کہ آپ کی نیند ایسی نہ تھی کہ بدن سے بے خبری ہو جیسے عام لوگوں میں اندیشہ

خروج ریح کا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نیند نہایت ہی خفیف
انداز کی ہوتی تھی۔ مناسب شان بھی یہی ہے کیونکہ نیند غفلت کی حالت
ہے اس میں نہ اللہ تعالیٰ کی یاد رہتی ہے نہ دنیا کا کوئی کام کیا جاتا ہے اسی
طرح بخاری ص ۱۵۴ ج ۱ وص میں ہے کہ آپ رات کو ۸ رکعات تہجد
کے بعد کبھی سو جاتے پھر وتر پڑھتے اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا
اتنام قبل ان توتر آپ نے فرمایا ان عینیّ تنامان ولا ینام
قلبی اسی طرح بخاری شریف ص ۲۵ ج ۱ میں بھی روایت ہے
ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنام عینہ، ولا ینام قلبہ، اس کے بعد یہ
بھی خیال فرمائیں کہ النوم اخوالموت کا مقولہ بھی مشہور ہے یعنی دونوں
میں بھائی چارہ ہے (یعنی تناسب ہے) باری تعالیٰ جل جلالہ میں یہ دونوں
نہیں پائی جاتیں اس لیے کہ ان دونوں میں نقص کا معنی پایا جاتا ہے لاتأخذہ
سنۃ ولا نوم دونوں صفات سلبیہ سے ہیں اور موت منافی حیات
ہے باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے عقل سلیم حکم
کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی عام اموات سے خفیف
درجہ کی ہونی چاہیئے جیسے کہ آپ کی نیند کا حال ابھی گذر چکا ہے۔
قرآن کریم نے قبض النفس موت اور نوم دونوں میں فرمایا ہے۔ اللہ
یتوفّٰی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا
لیکن موت میں قبض نیند سے اتم درجہ کا ہوتا ہے نیند میں قوت ہاضمہ اپنا
کام جاری رکھتی ہے کیونکہ جاگنے کے بعد اس نے کام سرانجام دینے ہوتے

ہیں لیکن موت کی صورت میں یہ بھی اپنا کام بند کر دیتی ہے نہ ظاہر میں کوئی حرکت محسوس ہوتی ہے اور نہ باطن میں۔ سارے بدن سے روح نکل جاتی ہے بدن جماد محض بن جاتا ہے۔ اسی لیے قبر میں جانے کے بعد مٹی کے ساتھ رل مل جاتا ہے روح خارج بدن سے ہوتے ہوئے صرف تعلق اجزا بدنیہ سے رکھتی ہے۔ سزا و جزا میں دونوں کی شراکت ہوتی ہے یہ عام اموات کا دستور ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی موت (بالخصوص حضرت صلی علیہ وسلم کی موت) اس سے جداگانہ انداز کی ہے عام اموات کے جو ظاہری حالات ہیں وہ سب ان میں نمودار ہوتے ہیں نہ زبان حرکت کرتی ہے نہ آنکھیں دیکھتی ہیں نہ ہاتھ پاؤں ہلتے ہیں نہ نبض چلتی ہے حیات دنیویہ کے ظاہری آثار کا خاتمہ ہو جاتا ہے یہ کل نفس ذائقۃ الموت کا مصداق اور منظر ہوتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطبہ میں فرمایا انّ محمداقدمات آپ کی موت کی تخفیف یہ نہیں ہو سکتی کہ ظاہری طور سے کوئی علامت حیات کی ان میں پائی جائے یہ تو ضابطۂ مذکورہ کے خلاف ہوگا موت کے لوازمات کفن دفن جنازہ قبرستان میں سپرد خاک کرنا سب کچھ ہوگا ہاں انبیاء کرام علیہم السّلام کی موت کی تخفیف اور تقلیل تاثیر یہ کی گئی کہ ان کے ابدان شریفہ میں نفس کی تدبیر اور تصرف کے حرکات ارادیۃ سے سابق درجہ کی وہ حیات جس سے بدن جماد ہونے سے متیمز ہوا تھا وہ مقدار ان کے اجساد مبارکہ میں باقی رکھی جائے تاکہ انکی برتری باقی رہے زمین کے کھا جانے سے محفوظ رہیں زمین حیات والی

چیز کو نہیں کھاتی جیسے درخت کی جڑیں ہاں درخت خشک ہو جائے جڑیں بے جان ہو جائیں، پھر زمین ان کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا تحفظ کیا گیا ہے اور مناسب شان اعطاء کل ذی فضل فضلہ کیا گیا ہے یہی معنیٰ ہیں حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس درجہ کی ہے اس کی تقریبی مثال اصحاب کہف حضرات ہو حدّین کاملین ہیں۔ تین سو سال تک وہ زندہ رہے سوئے رہے یہ زندگی موت ہی کے نمونہ کی ہے نہ کچھ کھایا۔ نہ پیا نہ بھوک نہ پیاس نہ سردی کا احساس ہوا نہ گرمی نے ستایا نہ چلے پھرے پورے مردے کے اوصاف انمیں پائے گئے یہ ان کی اصل درجہ کی معمولی زندگی تھی اسی مقدار کا ہیں نے حضرات انبیاء علیہم السلام میں حیات کا باقی رہنا عرض کیا ان حضرات اصحاب کہف کا سویا ہوا ہونا تو قرآن عزیز نے بتایا سکھایا ایمان بالغیب مانا گیا ورنہ صورت حال کے لحاظ سے یہ موت ہی کا نمونہ ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور میں اسی طرح محفوظ سمجھ لیجئے۔ یہ جاہلانہ قول نہ کیجئے کہ حیاۃ مانتے ہو اور کہتے ہو تو دفن کیوں کیا جنازہ کیوں پڑھا کیونکہ موت یقیناً ہوئی ہے۔ احکام موت کے جاری ہوں گے لیکن ان کی موت عام لوگوں کی موت (جیسے انکی زندگی عام لوگوں کی زندگی) سے متمیز شان والی ہے۔ عوام کو وہ عزت حاصل نہیں جو ان حضرات کو عطا کی گئی ہے شاید اسی تفاوت مرتبہ موت کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا انک میت وانھم

میتون اگر ایک ہی انداز کی موت ہوتی تو پھر فرمان اس طرح ہوتا انک
وانھم میتون یہی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نکتہ بیان فرمایا
ہے اور ٹھیک فرمایا ہے۔ بندہ نے بھی یہی عرض کیا ہے ہاں راستہ الگ
الگ ہے منطقی اصطلاح کے لحاظ سے حضرت کی دلیل لمیؔ ہے اور
ہماری بیان کردہ دلیل انیؔ ہے۔ سابقہ بیان کے مطابق جب اصل حیاۃ
کی کچھ مقدار حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بدستور باقی رہی تو ازواج مطہراتؓ
کا حکم ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً کی وجہ بھی آپ
کو معلوم ہوگئی اور حضورؐ کے متروک مال میں ورثہ جاری نہ ہونا بھی اسی کی تفریع
ہے۔ الغرض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عقیدۂ موت بالخصوص حضرۃ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے باوجود اصل حیاۃ کا ان میں محفوظ رہنا ان کی
عزتِ شان کے لیے کہا گیا بلکہ ان کی موت اور نیند دونوں میں تخفیف کا ہونا اور
موت میں ادنیٰ درجہ حیاۃ کا باقی ہونا یہ خاص اعزازِ خداوندی ہے۔ اس لیے
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شانِ رفیع میں موت کی حالت میں قبض النفس
جو آیت کریمہ میں ہے اس کو قبض ناتمام کہا جائیگا۔ جیسے پہلے عرض کیا گیا ہے
کہ نیند کی حالت کا عام طور سے قبض النفس بھی موت کے لحاظ سے ناتمام ہوتا
ہے چونکہ نیند میں موت جیسا قبض النفس نہیں ہوتا بلکہ اس سے خفیف انداز
کا ہوتا ہے اس کے باوجود آیت کریمہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔
اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الآیۃ الحاصل آیت کریمہ
میں یہ عند الموت توفی یعنی قبض النفس کو مطلق کے درجہ میں رکھا جائیگا۔

عام لوگوں کا ایک انداز میں (قبض النفس تمام) اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ان کی شان رفیع کے مناسب (قبض ناتمام) نیند کا قبض النفس وہ اور ہی انداز کا ہے پھر اس میں تین درجات ہیں۔ نیند عوام کی۔ نیند خاص لوگوں کی جیسے نیند اصحاب کہف کی اور نیند خاص الخاص یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، والتی لم تمت فی منامھا میں یہ تینوں صورتیں حسب مراتب مانی جائیں گی۔ اس لیے کہا گیا کہ یتوفی الانفس میں مراد مطلق کا درجہ سمجھا جائے۔

ممکن ہے کہ کسی کو جہالت سے یہ سوجھے کہ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر قبر میں محفوظ ہے جس کی علت بقاء حیوٰۃ فی الجملہ بتائی گئی ہے اسی طرح بعض اولیاء شہداء اور صالحین کے اجساد بھی قبور میں محفوظ ہوتے ہیں زمین نے ان کو نہیں کھایا اپنے ساتھ نہیں ملایا وہ زندہ ہی سمجھے گئے۔ پھر ان کے مال میں وراثت کا قانون کیوں جاری کیا گیا اور ان کی ازواج نے بعد میں نکاح کیسے کر لیا جب کہ خاوند زندہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اجساد مبارکہ کا سلامت رہنا، ان کے قبور میں زندہ ہونا تو قطعی یقینی اور ضابطہ شرعی ہے ان کو تو ایسا ہی سمجھو جیسے کسی شخص کا بیرون ملک چلے جانا نہ تو اس کا مال سے تعلق ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کو حق پہنچتا ہے کہ دوسری جگہ شادی کر لے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسی حیات کے ملنے اور پانے کا کوئی قطعی اور پختہ ثبوت

نہیں مرنے کے وقت کسی کو کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ عشرہ مبشرہ بالجنۃ کا جنت میں جانا بفرمانِ حدیث معلوم ہوا لیکن ان کے اجساد کا قبر میں محفوظ رہنا اس کی کوئی قطعی دلیل نہیں اسی طرح بقیہ اولیاء اور شہداء کا حال سمجھیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا یہ تحفظ عصمت انبیاء کے قانون کے ماتحت اعزازی خاصہ ہے قانونی احترام ہے اور کسی کے لیے یہ ضابطہ نہیں ہاں جس کو اللہ تعالے نے اجساد کی سلامتی قبر میں نصیب کر دی تو وہ عطاءِ خداوندی ہے قانون سے بالاتر ہے کسی کے متعلق یقین چھوڑ کر ظن بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعض مدعیانِ علم کے قلم اور زبان سے یہ دیکھا سنا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی سلامتی نہ مانی جائے تو کیا حرج ہے۔ برزخ میں جسدِ مثالی اس سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ شان والا مل گیا۔ اس خاکی بدن سے بدرجہا افضل اور اشرف حاصل ہو گیا حیاتِ ابدان ماننے کی کیا ضرورت رہتی ہے مگر یہ محض ایک مغالطہ ہے فریب ہے کہ لوگ سمجھیں کہ ہم حیات کا انکار کر کے توہین نہیں کرتے۔ زبان کی چالاکی سے بات منواتے ہیں پاس دلیل کچھ نہیں ورنہ پیش کرتے۔ بالمقابل صریح اور صحیح احادیث سے جسم عنصری کے ساتھ حیات انبیاء علیہم السلام فی قبورھم ثابت ہے جو تسکین الصدور میں بیان کی گئی۔ منصف کے لیے کافی وافی دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں ان کو وہیں دیکھا جائے انشاء اللہ تعالیٰ شرح صدر ہو جائے گا۔

ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ برزخ میں جسم مثالی

اس خاکی جسم سے اشرف و اعلیٰ مِل گیا۔ دیکھیئے بدن مثالی اصل کے نمونہ کو کہتے ہیں نمونہ اصل کے برابر کبھی نہیں ہوتا جو فضائل اصل میں ہوتے ہیں وہ نمونہ میں نہیں پائے جاتے فوٹو کی اور شان ہوتی ہے اور اصل کی اور، شاید انہوں نے جنت کے میوہ جات کے دنیا کے میوہ جات سے افضل ہونے کو بدن مثالی میں جاری کر دیا ہے مگر یہ محض مغالطہ ہے۔ علماءِ محققین کا قول تو یہ ہے کہ جسدِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے مٹی اور خاک کا جو حصہ مِلا ہُوا وہ عرش خداوندی سے بھی افضل ہے۔ (خاک کو یہ فضیلت جسدِ اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لیے جسدِ کریمؐ کے اجزاءِ طیبہ کا مماثل اور کون اور کب ہو سکتا ہے۔) بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر سنا ہی گا (فتح الملہم صـ ۴۱۸ جـ ۳ اور بدائع الفوائد صـ ۱۳۵ جـ ۱ وغیرہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے کہ قبرِ مبارک کا جو حصہ آپؐ کے جسد سے مِلا ہُوا ہے وہ کعبہ عرش اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ خاک کو یہ فضیلت جسدِ اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی اس لیے جسدِ کریمؐ کے اجزاءِ طیبہ کا کون مماثل ہو سکتا ہے جسدِ مثالی تو ایک الگ چیز ہے جیسے خواب میں کسی کو اپنے شیخ اور استاذ وغیرہ کی ہیکل نظر آجائے اسی لیے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ مبارکہ خواب میں دیکھنے سے کوئی شخص صحابی نہیں بنتا کیونکہ اس نے مثال کو دیکھا ہے، جسدِ عنصری کو نہیں دیکھا۔ بہر عالم برزخ میں اس سے بہتر جسم کا ملنا خواب و خیال ہی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

عام مشہور تو یہ ہے کہ جنت کی حوریں جو مومنوں کو ملینگی ہر مؤمن کو

بخاری ص ۴۶۱ ج ۱ میں ہے، ولکل امرئ زوجتان من الحور العین الخ اور زیادہ حسب درجات ملیں گی۔ حدیث شریف سے صراحۃً ثابت ہے کہ ان حوروں کا حسن وجمال جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے سب حق اور صحیح ثابت ہے لیکن بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کی دنیوی منکوحہ بیویاں بشرط ایمان وہ بھی اس مرد کو ملیں گی اور ان کا حسن وجمال حوروں سے زائد اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا حوریں ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر رشک کریں گی غور فرمائیں کہ یہ فضیلت دنیوی ازواج کو کہاں سے ملی یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گذاری کے صلہ میں میسّر آئی حدیث میں بصلواتهن وصیامهن کے الفاظ میں موجود ہیں (مجمع الزوائد ص ۴۱۷ ج ۱۰ و ص ۱۱۹ ج ۷) جب کہ حوریں اس باب میں حصہ دار نہیں ہیں (مجمع الزوائد ص ۴۱۷ ج ۱۰، ص ۱۱۹ ج ۷) الّا انّ فی السند سلیمان بن ابی کریمۃ ضعفہ ابوحاتمؒ وابن عدی وفی المیزان ص والّلسان ص ۱۰۲ ج ۳ ولم ار للمتقدمین فیہ کلامًا)

اس کو دیکھتے ہوئے آپ اندازہ لگائیں کہ جن اجزاءِ بدنیہ اور اعضاءِ جسمانیہ (نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم) نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذاری بھوک پیاس اور باقی جسمانی تکالیف میں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور معیت میں زندگی کے دن رات گذارے کیا وہ اس لائق ہیں کہ وہ قبر میں جاکر مٹی میں گل سڑ کر مل جائیں اور حسن جزاء کے انجام سے محروم چھوڑ دیے جائیں اور نیا بدن مثالی آپ کو مل جائے آپؐ اس سے وابستہ ہو جائیں پھر کیا وہ اجزاءِ طیبہ بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض نہ کریں گے

کہ ہم نے روح کریمہ کے ساتھ ساتھ ساری زندگی گزاری اب پروردگار پھر
روح کو نعمتوں سے نوازا جائے اور ہمیں مٹی میں آلودہ چھوڑا جائے ایسا کیوں
ہو حالانکہ روحِ کریمہ کی کمائی بدن عنصری کی بدولت ہی ہوئی اس لیے مناسب
ہوا کہ روحِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات کریمہ کے ساتھ آپ کے جملہ
اعضاءِ جسدانیہ کے بھی صحیح سلامت ہونے کا قول کیا جائے اسی کو مسئلہ حیاتِ
انبیاء کہا جاتا ہے یہ حیات فی الجملہ کے درجہ کی ہے اس میں دنیوی حیات
کے ظاہری آثار نمودار نہیں ہوتے یہی حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فرمان تھا جو فیصلہ میں نقل کیا گیا ہے اور یہی حق ہے۔
ہم نے اس مقدارِ حیات کو بدن میں باقی ماندہ بہر حال سابق کہا مقبوض بالائی
درجہ ہے جو آثار خاصہ خارجیہ کا منشا بنتا تھا اسی کو آپ کی موت کہا گیا
کل نفس ذائقۃ الموت بھی صادق آگیا اور نبی اللہ حیٌّ
بھی اس دنیویہ حیات سے پایا گیا برزخی بھی ہے کہ یہ مقدار حیاۃ عالم برزخ
کے زمانہ میں پائی گئی یہ ہمارا خیال ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالےٰ
بتعلق حیات دنیوی زندگی فرما رہے ہیں وہ شاید مجموعہ کے لحاظ سے کہ
مکمل بدن میں نہیں ہاں اس کا بدن سے تعلق باقی ہے مجموعہ کو آپ کے
قلب مبارک میں سمٹا ہوا ہونا فرماتے ہیں واللہ اعلم اسی طرح یہ کہنا بھی غلط
ہے کہ شہداء کے ارواح کو بعد از وفات اجساد عنصریہ کے عوض میں اس
سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطا ہوں گے جیسے مصنف ندا الحق نے کہا۔
تسکین الصدور صفحہ ۱۲۸ مزید یہ بھی کہا گیا کہ ارواح کو مثالی جسد عطا ہوتا ہے

جس میں قیامت تک رہ کر روح ثواب و عذاب پاتی رہتی ہے۔ وجہ غلطی کی یہ ہے کہ قابلِ عزت و اکرام وہی اجزاء ہیں جو شہداء کے ابدان میں تھے خداوند تعالیٰ کے راستہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔ عبادتِ الٰہی میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں ارواح کی کمائی انہی کے تعاون سے ہوئی اس کے برعکس کفار اور مجرمین عصاۃ کے اجزاء بدنیہ ارواح کے ساتھ شریک جرم ہے یہ بھی سب جانتے ہیں کہ القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران ثابت ہو چکا ہے یہ سزا و جزا کا زمانہ ہے اس کو اول منزل من منازل الآخرة کہا گیا ہے یہ بھی واضح ہے کہ جیسے جسد عنصری مرکب ذی اجزاء ہے اسی طرح جسد مثالی بھی۔

جسدِ مثالی کے اجزاء تے نہ کسب خیر کیا نہ کسب شر میں حصہ لیا بلا جرم ان کو عذاب دینا جیسے کہا گیا کیا یہ انصاف ہے یا ظلم؟ ولا یظلم ربك احدا آ ہی چکا ہے۔ جو اجزاء بدنیہ جرم میں شریک کار تھے ساری زندگی وہ روح کی معیت میں معاصی کا ارتکاب کرتے رہے برزخی زمانہ میں تا قیامت آپ نے ان کو معاف کر دیا اور جسد مثالی کے اجزاء جنہوں نے جرم میں حصہ نہیں لیا ان کو پکڑ کر آپ نے سزاوار بنا دیا۔

لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت کا تقاضا یہ ہے کہ قبر کے زمانہ میں بھی سعید کو جزاء خیر اور شقی کو سزا ملے آپ نے اصل اجزاء بدنیہ کو چھوڑ کر روح کے جسد مثالی کو ثواب و عذاب دینا کہا مجرم کو چھوڑ کر غیر

مجرم کو سزا دی یہ لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کے خلاف ہے، جن لوگوں نے جسد مثالی کی تجویز کی وہ جزا و سزا کے باب میں نہیں کی وہ تو اور مقاصد کے لیے کی گئی ہے اور اگر اسطرح کسی نے کہہ بھی دیا ہو تو اہل تحقیق اس کے خلاف ہیں واللہ اعلم

اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ میں نے عرض کیا تھا۔ کہ مقبوض عند الموت نفس کا صرف وہ درجہ ہوتا ہے۔ جو حیاۃ کے آثار حس و حرکت کا سبب بنتا ہے، علامت حیاۃ سمجھا جاتا ہے! جس سے نبض کی حرکت اعضاء کی حرکت ہوتی ہے، یہی زندگی کی نشان دہی کرتی ہے۔ موت کے وقت اس کا قبض ہونا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حرکتِ قلب بند ہو گئی مر گیا! لیکن قوت سماع جو دماغ میں ہوتی ہے وہ غیر محسوس ہوتی ہے، وہ علامت حیاۃ نہیں بنتی زندہ اور مردہ کا اس میں امتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ یہ قوت حیاۃ کے توابعات میں سے ہے، لیکن حیات کے فوقانی درجات جس میں حس و حرکت ہوتی ہے! اس کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان حرکت نہیں کرتی اعضاء بے حس ہو جاتے ہیں! لیکن شخص بات سن کر سمجھ لیتا ہے! مثالوں میں طول ہوگا، اہل علم جانتے ہیں ہاں حیاۃ کے ادنیٰ درجہ سے اس کی وابستگی ہوتی ہے۔ عام طور سے موت میں ازالۂ حیاۃ تام ہوتا ہے، قوت سماع بھی جاتی رہتی ہے، بلکہ گذر چکا کہ عام لوگوں کی نیند میں بھی قوت سماع مقبوض ہو جاتی ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں ایسا

نہیں ہوا۔ آپ نے سوتے ہوئے بھی فرشتوں کی باتیں سنیں! اس طرح آپ کی بارگاہِ عالی کا حق یہ ہے، کہ آپ کی موت میں بھی یہ مقبوض نہ ہو کیونکہ یہ حیاۃ کی علامت نہیں بنتی اور فی الجملہ درجہ کی حیات آپ میں رہتی ہے موت میں مقبوض فوقانی درجہ ہوتا ہے، جو منشا آثار ہوتا ہے! اور موت میں حیاۃ دنیویہ کی علامات کا قبض ہونا ہی ضروری ہوتا ہے، اس لیے آپ کی موت میں اس ادنیٰ درجہ حیات اور قوۃ سماع کا واپس قبض کرنا مناسب شانِ عالی نہیں بنتا بلاضرورت عطیہ نعمت کو کیوں قبض کیا جائے۔ ہاں حیوٰۃ دنیویہ کی اگر یہ علامت بنتی تو عندالموت قبض ضروری ہو جاتا۔ جیسے آنکھوں کی نعمت کہ ان سے دیکھنا حرکت کرنا دنیاوی زندگی کے آثار سے ہے، اس کا قبض کرنا ضروری ہوگیا، لیکن قوت شنوائی میں یہ بات نہیں ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوۃ سماع حیاً و میتاً یکساں ہوگی اسی لیے فرمایا کہ زائرین کا عندالقبر سلام و درود میں خود سنتا ہوں۔ جواب بھی دیتا ہوں! سننے کے لیے جتنی مقدار حیات کی ضرورت ہے وہ آپ میں موجود ہے جو لوگ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کے سننے کا انکار کرتے ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت رفیعہ کو نہیں سمجھا اللہ سمجھ نصیب کرے! صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے عقل سلیم کی شہادت صادقہ پائی جاتی ہے اس سے انحراف اگر توہین شان نہیں ہے تو شبہ تنقیص ضرور ہے، بلکہ سلام و درود کے علاوہ آپ سے عندالقبر استشفاع کی درخواست یا کوئی اور مناسب بات کہنا سب معقول

اور قابل قبول چیزیں ہیں، جس کی ضروری تشریح اور تفصیل تسکین الصدور میں
میں کی گئی ہے، اس کے ص ۳۸۶ پر مؤلف اقامۃ البرہان کی ایک انوکھی بات
نقل کی ہے، کہ وہ فرماتے ہیں! اسماع عند القبر چونکہ خلاف قیاس ہے اس
لیے اپنے مورد پر بند رہے گا۔ لہٰذا اسماع صلوٰۃ وسلام پر قیاس کر کے استشفاع
عند القبر کو جائز کہنا صحیح نہیں تعجب ہے! کہ روایت انبیاء علیہم السلام کے
عند القبر سماع صلوٰۃ وسلام کو صحیح مان کر بشرط صحت، خلاف قیاس کہتے
ہیں، جناب من خلاف قیاس کہنا غلط ہے۔ ہم نے ابھی عرض کر دیا ہے
کہ عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حیات دنیویہ
کے ظاہری آثار و علامات کا قبض کرنا ہی انسب ہے۔ قوت سماع کا سلب
کرنا غیر ضروری بلکہ غیر ملائم بھی ہے۔ عوام کی موت میں اور آپ کی وفات
میں فرق کرنا قرآن کریم نے سکھایا حدیث نبویؐ نے بتایا عقل سلیم نے قبول کیا
ہاں اگر آپ کی عقل کے خلاف ہے تو نہ آپ کی عقل لوگوں پر حجت ہے
نہ ہم اس کے تابعدار ہیں۔

ایک اور مزے کی بات سنیئے: اسی ص ۳۸۷ پر سماع موتٰی کے انکار کی
دلیل لکھتے ہیں جو اقامۃ البرہان کے مصنف نے لکھی ہے۔ فرمایا کہ حضرت
عزیز علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے، اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو
انہوں نے اس طویل زندگی کو یوما او بعض یوم سے تعبیر کیا اگر سماع ثابت
ہوتا، تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کتنا عرصہ گذرا ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی
عجیب انکشافات ہوا۔

اولاً کیوں جناب! طلوع و غروب جس کو اتنے سال ہو گئے یہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے یا کانوں سے سُنا جاتا ہے، اس سے تو معلوم ہوا کہ آنکھوں میں بینائی نہیں تھی۔ ہم تو سماعِ موتٰی کے قائل ہیں! کسی کا بولنا اور ان کا نہ سُننا تبلائیے اس واقعہ کو سماع سے کیا تعلق ہے، آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز قضاء ہو گئی، سورج چڑھنے کے بعد آپ جاگے! وہاں پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ بیدار کیوں نہ ہوئے سورج کا طلوع ہونا اور آپ کا اس سے بے خبر رہنا کیسے ہوا، جواب یہی دیا گیا کہ سورج کے طلوع ہونے کا دیکھنا تو آنکھوں کا کام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ سوتے ہوئے میری آنکھیں جاگتی ہیں، ہاں یہ فرمایا کہ میرا دِل بیدار رہتا ہے۔ دِل کی بیداری سے سورج کا طلوع تو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر عزیر علیہ السلام کا دِل جاگتا بھی ہو، قوۃ سمع بھی ہو تو سورج کا طلوع و غروب، اس سے کیسے معلوم ہو سکتا ہے!

وثانیاً عرض یہ ہے کہ اصحابِ کہف زندہ تھے سوئے ہوئے تھے تین سو سال گذر گئے جب اٹھے تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا قالوا لَبِثْنَا یوماً او بعض یوم۔ کم لبثتم کے جواب میں آپ کے قول کے مطابق تو سماعِ موتٰی تو درکنار سماعِ احیاء بھی نہیں ہو گا ورنہ اصحابِ کہف بے خبر کیسے رہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ کتنا عرصہ گذرا ہے، جیسے کہ آپ کا قول ہے! آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہ زندہ تھے لیکن سونے کی وجہ سے آنکھیں بند تھیں۔ تو اسی طرح مردہ کی آنکھیں بھی

بند ہی ہوتی ہیں ان کو معلوم ہونا آپ نے کیسے کہا؟ جناب استدلال کے وقت
آنکھیں تو کھول لا کیجیے۔

خاتمۃ البیان

ابھی گذرا کہ قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے آپ صلی اللہ
علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ اسی طرح آپ سے استشفاع بھی جائز ہے، یعنی آپ سے
درخواست کرنا کہ آپ ہم گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں مغفرت
کی دُعا فرمائیں کہ اللہ جل جلالہٗ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ جیسے زندگی میں
اس طرح کی درخواست کی جاتی تھی واستغفر لھم الرسول کے فرمان
کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسی طرح عند القبر کوئی اور مناسب بات
کہنا سب معقول اور قابلِ قبول چیزیں ہیں۔ منکرین سماع اول میں بھی کائیں کائیں
کرتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے! جیسے کراچی والے ناسعود کا طریقہ
ہے! اس کا جواب تو تسکین الصدور میں بھی دیا گیا ہے! مراجعت کر سکتے
ہیں، وہاں استشفاع کا ثبوت بھی کافی تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔
ہمیں کچھ اور باتیں عرض کرنی ہیں! حضرت شیخ استاذ الکل مولانا سید محمد انور شاہ
صاحب نور اللہ مرقدہ جب اس مقام پر پہنچتے تو والہانہ اور عقیدتمندانہ انداز
میں حضرت مولانا علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی روضۂ مبارک پر حاضری
کا تذکرہ فرماتے کہ ہر سال حج کو جاتے تھے اور رخصت کے وقت جب

روضۂ شریفہ پر جاتے تو درود وسلام کے بعد نیاز مندانہ اور عاشقانہ انداز میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے خواجہ بسفری روم چہ فرمائی ؟ جواب ملتا ۔ بسلامت روی و باز آئی ۔ آخری سال ختم عمر کے وقت جب گئے اور اپنے سابقہ انداز میں جب بسفرمے روم والاجملہ اجازت نامہ پڑھا جواب نہ آیا تو اس سے سمجھ گئے ۔ کہ اب باز آئی والی بات نہیں ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا ، اس قصہ سے جو حضرت شاہ صاحبؒ سے سُنا گیا چند باتیں معلوم ہوئیں ، حضور علیہ السلام کا قبر شریف کے پاس سے کلام کرنے والوں کے کلام کو سننا اور اس کا جواب دینا معلوم ہوگیا اور اس سے استشفاع کے کلمات کہنے اور ان کا سُننا بھی معلوم ہوگیا ، جب یہ ہے تو صلوٰۃ وسلام کا سننا اور جواب دینا بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا ، اس کو میں نے دلیل نہیں بنایا کہ اس میں لیت ولعل کیا جائے ! بلکہ حضرت شیخ کی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں اس کے علاوہ آپ نے شیخ جامیؒ کو خواب میں دیکھنے کی چند اور باتیں بھی فرمائیں لیکن طوال کی وجہ سے ان کو چھوڑتا ہوں ! میں نے پہلے عرض کیا کہ بعض شاگردی کا اقرار کرنے والوں نے حضرت شیخ کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے شیخ کو شاید وہ دیوبندی عقیدہ والے نہ جانتے مانتے ہوں گے جبھی تو ایسوں کو وہ بناسپتی دیوبندی کہتے ہیں ۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ فریق ثانی کے بعض بزرگ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کا سننا خلاف قیاس ہے لہٰذا یہ تقدیر صحت مورد پر بند رہے گا ۔ ابھی ان کا قول گذرا ہے ۔ یہ غلط ہے ، حضرت شاہ صاحب کاشمیریؒ کے بیان کردہ قصہ سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے حضرت اس کو

قیاس کے مطابق بنا کر اور موارد میں بھی یہ حکم جاری فرمائے ہیں، آپ حضرات کا یہ قول تو ظاہریہ کے قول کے انداز میں ہے کہ ربوا کی حرمت اشیاء ستہ میں محصور ہے حالانکہ یہ قول باجماع مجتہدین باطل ہے، آپ کا سماع کو صرف صلوٰۃ وسلام میں بند کرنا بھی اسی طرح ہے، پہلے گذر چکا ہے

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضور علیہ السلام کی بعثت تا قیامت اسلامی عقیدہ ہے جیسے زمانہ حیات میں لوگوں نے بہترین جذبہ محبت اور عشق رسول کا مظاہر کیا، دیدار کر کے جانیں قربان کیں اسی طرح بعد کے آنے والے لوگ بھی کئی مخلصانہ اور والہانہ عشق رسول رکھنے والے پائے جاتے ہیں، دور سے پیار کرنے والے جب سرکار کے روضہ کے پاس حاضر ہو سلام کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے سنا اور جواب بھی دیا گو ہم نے ان کانوں سے نہیں سنا تو اس سے دل میں فراق کا صدمہ کم ہو جاتا لازمی بات ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ کل نفس ذائقۃ الموت کے قانون نے ہمیں دیدار سے محروم کر دیا ہے لیکن محبوب کبریا سے ہم کلامی کا شرف تو نصیب ہو گیا، محبوب کے کھنڈرات دیکھ کر قلبی تسلی ہو جاتی ہے، تو کلام کرنے سے اس سے زائد حظ اور تسلی قلب حاصل ہوگی۔

تسکین الصدور ص ۳۶۵ پر حضرت نانوتویؒ کا فرمان نقل کیا۔ کہ آیت کریمہ میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں تخصیص ہو تو کیونکہ آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا استغفار کرنا اور کرانا جب

متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں (آب حیاۃ صفہ ۴) اس لیے مناسب
ہوا کہ آپ کی موت کی صورت میں پچھلوں کے لیے رابطہ قائم رکھا جائے
اسی ضرورت کے لیے آپ کی قوت سماع برحال رکھی گئی اور موت میں اس
کا قبض کرنا نہ ہوا اگر ہو بھی تو بہت معمولی انداز کا! اس کا لازمی اثر یہ بھی ہوا
کہ فی الجملہ حیاۃ بھی بدن میں محفوظ رکھی جائے ہاں وہ چیزیں جو علامات حیاۃ
خارجی بنتی ہیں وہ مقبوض ہو جائیں یہی انداز حیات اور قوۃ سماع کا باقی رکھنا
اسی کو ناتمام قبض کہا گیا۔ ان محمداً قد مات بھی صحیح ہوا! اور نبی اللہ
حی یرزق بھی صادق رہا۔ یہ حیات جسمانی ہے نہ کہ صرف روحانی
اسی کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے فیصلہ میں حیات
بتعلق روح فرمایا۔ اور اسی سے سلام و درود کا سننا فرمایا اور میں نے
اسے جسد اطہر میں باقی رکھنا کہا، الحمد للہ کہ نتیجہ ایک ہی ہے، چوتھی بات
یہ عرض کرنی ہے کہ فریق مخالف جو سماع موتٰی کے قائل نہیں۔ حضورؐ کے
روضۂ اقدس کے پاس سلام کرنے والوں کے سلام کا نہ سننا کہتے ہیں بلکہ
بعض دفعہ اسے بدعت سیئہ سے ملا دیتے ہیں! قرآن کے خلاف ہونا بتاتے
ہیں تو ان کو چاہیئے کہ جہاں یہ کام ہوتا ہے وہاں جا کر ان باتوں کا اعلان
کریں! حکومت سعودیہ کو ملامت کریں کہ تم نے یہ بدعت کیوں جاری کر
رکھی ہے، پاکستان میں اس پر زور صرف کرنا بیکار ہے، وہاں جایئے
اور فریضہ کی ادائیگی کا ثواب حاصل کیجئے۔ کلمہ حق عند سلطان جابر بھی آیا
ہے! دیکھئے وہاں سے کیا جواب ملتا ہے، یہی بات میں آٹھ تمراونچ

پڑھنے والوں کو کہتا ہوں کہ حرمین شریفین میں بیس پڑھتے ہیں وہاں جاکر کیوں خاموش ہو جاتے ہیں! پاکستان میں ڈنکے بجاتے رہتے ہیں! انعامی چیلنج دیتے ہیں ٹھکانہ پہ جاکر حق واجب ادا کریں شاید وہاں جیل کا مقام بھی مل جائے اور ثواب دوچند ہو جائے مگر ؎

ہر مدعی عشق کے لیے دار و رسن کہاں

اس کے بعد مناسب معلوم ہوا، کہ ایک اور بات کا جواب بھی دے دوں، جو رسالہ سماع ص۱۵ پر مرقوم ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو وقیع سمجھ کر الجھن میں پڑ جائیں فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ رضؓ نے قلیب بدر والی حدیث کی توجیہ فرما دی اور اس سے سماع موتٰی ثابت کرنے کا راستہ بند کر دیا، اگر یہ مسئلہ اس دور میں اختلافی صورت اختیار کر چکا تھا! تو قائلین سماع نے حضرت صدیقہؓ کی توجیہ و تاویل کا جواب کیوں نہیں دیا! بعد والوں نے تو اتنے ڈھیر سارے جواب سوچ لیے مگر صحابہؓ کو اس کا کوئی جواب نہ سوجھا صحابہ کرامؓ کا سکوت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں اس مسئلہ اختلاف موجود ہی نہ تھا!

الجواب اقول وباللہ التوفیق ومنہ الھدایۃ

اس بیان کے بعض اجزاء کا جواب تو پہلے گذر چکا ہے، الی التحقیق کہ حضرت گنگوہیؒ اس کو قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ قرن صحابہؓ کے اختلافی مسئلہ میں دو ٹوک فیصلہ نہیں ہو سکتا ہاں

ترجیح دی جاسکتی ہے۔ الیٰ آخرہٖ! ان کے اصل الفاظ یہ ہیں مسئلہ سماع موتیٰ کا قرن اوّل میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں الخ لطائف رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۲۶۱ ج ۵ میں ہے سماع موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہؓ کے زمانہ سے ہے الخ اور خود مؤلف اقامۃ البرہان اپنی تالیف جواہر القرآن میں لکھتے ہیں۔ سماع موتیٰ کا مسئلہ زمانہ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے الخ۔ (جواہر القرآن صفحہ ۹۰۲ طبع اوّل)

رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اگر حضرت عائشہؓ کی توجیہ و تاویل کو صحیح نہیں سمجھا تو اس کی تردید کیوں نہیں کی ان کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے اس کو قبول کیا اختلاف کچھ نہیں کیا۔ اختلاف بعد کی پیداوار ہے جیسے ان منکرین کے کلام میں ہے۔

تو اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ کبھی کوئی بڑا شخص عظیم القدر غلط بات بھی کہہ جاتا ہے لیکن اس کی عزت اور احترام و وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ اسی کو ادب کہا جاتا ہے۔ خاموشی ایسے وقت اذعان اور قبولیت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ ادباً ایسا کیا جاتا ہے! حضرات صحابہؓ کرام کے رویہ میں اس کے بے شمار نظائر آپ کو نظر آئیں گے آجکل کا رویہ اس کے خلاف ہے ہر شخص اپنے آپ کو سب سے اونچا جانتا ہے اور انا اعلم وابرّ واتقیٰ کا گمان رکھتا ہے میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا سکوت کبھی عزت قائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوتا تھا حضور علیہ السلام کا سفر میں فریضہ

لی چار رکعات نماز پڑھنا ثابت نہیں ہمیشہ قصر کرتے تھے، جیسے کہ حنفیہ کا مذہب ہے لیکن حضرت عائشہؓ جب حج کو گئیں، تو انہوں نے رباعی نمازوں میں اتمام ہی کیا، جب ان سے سوال کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ میں ام المؤمنین ہوں (زاد المعاد ص۱۳۰ ج۱) وازواجہ امہاتھم قرآن میں آچکا ہے، لہٰذا میں مسافر نہیں ہوں، اگر یہ تعلیل صحیح ہو تو حضور علیہ السلام ابوالمومنین ہیں وہ مسافر کیسے ہو سکتے ہیں! لیکن حضرات صحابہ کرامؓ نے حضرت صدیقہؓ کے جواب کو سن کر خاموشی ہی اختیار فرمائی! یہ ادب کے انداز میں خاموشی مسئلہ کی دلیل نہیں بنتی! اصل حقیقت کچھ اور ہے، حضرت صدیقہؓ نے سرسری سی بات فرمادی جس کو ٹالوال جواب کہتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ خلافت کے زمانہ میں حج کو گئے انہوں نے بھی رباعی نمازوں میں قصر نہیں کیا چار ہی پڑھتے تھے! جب ان سے سوال کیا گیا! تو ایک جواب انی تاھلت بمکۃ کا دیا۔ اور دوسرا یہ کہ بہت سے نئے لوگ مسلمان ہونے والے اعراب ہمارے ساتھ حج میں آکر نمازیں پڑھنے والے ہیں اگر میں قصر کروں تو شاید وہ یہ گمان کریں کہ ظہر عصر اور عشار کی نمازیں دو۔ دو رکعات ہی ہیں! اس غلطی سے بچانے کے لیے میں نے چار رکعات پڑھی ہیں۔ (محصلہ ابوداؤد ص۲۷۰ ج۱)

یہ دلیل بھی ناتمام ہے کیونکہ زمانہ نبوی۔ و زمانہ شیخینؓ میں بھی یہ عذر تھا لیکن انہوں نے چار چار نہیں پڑھیں! لیکن حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کو سن کر بھی خاموشی فرمائی حضرت عثمانؓ سے نہ مناظرہ کیا نہ اسمیں محاذ اختلاف اپنایا

غالباً آپ حضرات کا مذہب بھی اس مسئلہ میں قصر کرنا ہی ہے مگر اس کو اختلاف کا محاذ نہیں بناتے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی قصر مروی ہے لیکن وہ حضرت عثمان خلیفۃ المسلمین کے پیچھے (باوجود انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے) چار ہی پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بھی فرمایا کہ افسوس میرے لیے ان چار رکعات کی بجائے دو رکعات ہوتیں تو کیا اچھا ہوتا فیالیت حظی من اربع رکعتان متقبلتان (بخاری ص ۱۴۷-۲۲۵ ج ۱) کسی نے پوچھا آپ نے حضرت عثمانؓ سے اس بارے میں گفتگو کیوں نہیں کی تو فرمایا الخلاف شر (ابوداؤد ص ۲۷۰ ج ۱) کہ یہ حضرت عثمانؓ کا اجتہادی نظریہ ہے میں اس میں اختلاف پسند نہیں کرتا خاموش ہی رہے ۳ حضرت عائشہؓ کے سامنے خاموشی بھی ادب اور احترام کے وجہ میں کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ اجتہادیات میں ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے ۴ حضرت عمرؓ و ابن عمرؓ کی روایت ہے المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ۔ کہ میت پر اس کے گھر والے جب روتے ہیں تو اس سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہؓ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور ایک کا گناہ دوسرے پہ کیسے پڑ سکتا ہے اور لا تزر وازرۃ وزر اخری کی تلاوت فرمائی ایک واقعہ میں حضرت ابن عمرؓ کے سامنے حضرت صدیقہ کا انکار نقل کیا گیا تو وہ خاموش رہے جواب نہیں دیا مشکوٰۃ میں قصہ مروی ہے لیکن خاموشی مقامی اور وقتی طور پہ کی گئی کہ ماتم کے گھر یا اس کے قریب اس طرح کا شور و شغب مناسب نہیں ہوتا یہ نہیں کہ حضرت صدیقہؓ کا انکار سن کر

اس کی جواب دہی نہیں آئی اور اس کو تسلیم کر لیا اور اپنی روایت میں شک ہو گیا، یہ سکوت بھی ادب کے درجے میں تھا، اس کے علاوہ مقام کے مناسب بھی خاموشی تھی، امام بخاریؒ دونوں روایتوں کو صحیح قرار دیکر ان کے درمیان تطبیق دے رہے ہیں، کہ عذاب اس صورت میں رونے سے میت کو ملتا ہے، جب کہ رونا اس کے کہنے سے کیا گیا ہو! یا وہ جانتا ہو، کہ روئیں گے لیکن منع نہیں کیا! اور اگر منع کرنے کے باوجود روئے تو میت کو عذاب نہیں ہوتا لا تزر وازرة وزر اخریٰ کا یہی محل ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱)

یہ بات غلط ہے کہ صحابہؓ کا سکوت اس مسئلہ میں عدم اختلاف کی دلیل تھا۔

۵۔ ایک بات پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ نے ان کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کا پیغام بھیجا صحابہؓ نے ان کی بات کو پسند نہ فرمایا حضرت صدیقہؓ نے ایک حدیث کا حوالہ بھی دیا لیکن جواب میں خاموشی اختیار کی گئی تردید نہیں کی گئی یہ بھی ادب تھا! اس کو اچھالا نہیں گیا! یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جس چیز کا انکار کیا وہ مرفوع حدیث صحیح فرمان رسول ہے جس کے راوی متعدد صحابہ کرامؓ ہیں! حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ولم ینفرد عمر وابنہ بحکایۃ ذلک بل وافقہما ابو طلحۃؓ (ان کی روایت بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ میں ہے) کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعودؓ مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵)

ونقله فی فتح الملہم ص۴۷۸ ج۲) اسی لیے حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گذرا خالفہا الجمہور - اس سے جمہور صحابہؓ ہی مراد ہیں - اور مخالفت دوسرکی رائے کے رد ہی کی صورت میں ہوتی ہے ، اور اس سے حضرت عائشہؓ کی رائے کی تردید ہوئی اسی لیے اس کو قرن اول کا اختلاف کہا گیا ہے یہ بعد کی پیداوار نہیں ہاں حضرات صحابہؓ یا تابعینؒ و تبع تابعین رح کے زمانوں میں اس کو معرکہ نہیں بنایا گیا جیسے آجکل کے دور میں ہو رہا ہے ۔

الغرض عام مسئلہ سماع موتی کا اختلاف قرن اول سے ہی چلا آتا ہے اور فریقین کے خیال میں یہ اجتہادی اختلاف ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ کے فرمان میں گذر چکا ہے ہاں عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں (دیکھیے فتاوی رشیدیہ ص۹۹ ج۱ طبع دہلی) اور فتاوی رشیدیہ ص۲۲ ج۱ میں ہے کہ اجماعی مسئلہ کا انکار کرنا گناہ ہے (محصلہ) لیکن اس کو کہہ مفرماؤں نے پارٹی بازی بنا رکھا ہے میں ان مذکورہ مسائل کی تحقیق نہیں کرنا چاہتا صرف یہ بتانا ہے کہ کبھی خاموشی تسلیم کے طور پر نہیں ہوتی اس لیے یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ کی توجیہ اور تاویل کی تردید صحابہ کرامؓ نے نہیں کی خاموشی اختیار کی معلوم ہوا کہ وہ بھی ان کے بیان سے متفق ہو گئے یہ بات قابلِ غور ہی نہیں بلکہ سراسر مردود ہے ۔

وما علینا الا البلاغ ۔

بندہ عبد القدیر عفا اللہ عنہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ ڈاکخانہ ومقام مومن پور تحصیل وضلع اٹک

باب سوم

چند ضروری باتیں

ہماری نظر سے رسالہ ازالۃ الاوہام فی احادیث خیر الانام گذرا۔ اس کے بیانات پر تعجب بلکہ افسوس ہوا۔ اوّلاً اس لیے کہ فاضل مصنف نے احادیث صحیحہ خاص کر صحیح بخاری کی روایات کو کس بے باکی سے اپنے خیال کے مخالف سمجھتے ہوئے معارض نصوص قرآنیہ کا بہانہ بنا کر گرانے اور ٹالنے کی مذموم سعی کی۔ اپنی فہم و علم کو امام بخاری رحمہ اللہ کی فہم و علم سے فائق سمجھتے ہوئے امام موصوف رحمہ اللہ کی مخالفت کی۔ ان کی جماعت اگر اس سعی ناشکور کو پسند کرے تو ان کی مرضی۔ سنجیدہ طبقہ تو ایسی حرکت پہ لاحول ہی پڑھے گا۔ احادیث صحیحہ کو ایسے حیلے بہانے سے ٹالا جائے تو دین کا خدا ہی حافظ ہو۔ جو مرضی ہو کرتے جاؤ۔ دیکھیے بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۸ کی حدیث اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ کو جو سماع موتی پر دلالت کرتی ہے بزعم خویش آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کے معارض کہہ کر من مانی کارروائی کہہ گئے ہیں۔ کہ ایسی حدیث کا اعتبار نہیں

نہ ناسخ بنتی ہے نہ مخصص (ازالہ الاوہام صف) سبحان اللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ علم والا شخص تو ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضد اور چیز ہے۔

شاید آپ نے پڑھا سنا ہوگا کہ عربی محاورات میں مجرد اور مزید کے صیغوں کے اختلاف سے معنی اور مراد میں فرق آجاتا ہے۔ حدیث شریف میں لیسمع قرع نعالھم مجرد کا صیغہ مروی ہے جس سے سمع کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور آیت کریمہ میں دونوں جگہ مزید کا لفظ لایا گیا ہے۔ ان میں اسماع کی نفی کی گئی ہے سمع میت کی صفت ہے اور اسماع پکارنے والے کا فعل ہے۔ خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو۔

محل اثبات اور ہے اور محل نفی اور ہے۔ تعارض و تناقض کہاں سے پیدا ہو گیا۔ ع۔ در تناقض ہشت وحدت شرط داں

وحدت موضوع و محمول و مکاں

آپ نے پڑھا سنا ہی ہوگا۔ فلاں کھاتا ہے کھا سکتا ہے کا اور مفہوم ہے اور فلاں کو تم نہیں کھلا پلا سکتے کا اور ہے۔ نادان ہی اس کو تعارض بنلائے گا۔ کیسی واضح بات ہے۔ واللہ الہادی۔

دوم بات قابلِ غور یہ ہے کہ مشہور ہے فقہ البخاری فی تراجمہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور مختار وہی ہوتا ہے جو ترجمۃ الباب میں وہ ذکر کر جاتے ہیں سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ ترجمۃ الباب قائم کیا آگے اس کی حدیث لائے جس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے ایسے ہی سب کتاب میں کیا گیا۔ مسائل ترجمۃ الباب میں لاتے ہیں اور دلائل کے لیے احادیث

صحیح لایا کرتے ہیں۔ چنانچہ صٓ ۱۸۷ میں ترجمۃ الباب المیت یسمع خفق النعال ذکر فرمایا اور اس کے اثبات کی دلیل صریح انہ لیسمع قرع نعالھم الخ لائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس خلافیہ میں سماع موتٰی کے قائل ہیں۔ اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر اس کو صحیح نہ سمجھتے اور آیات قطعیات کے معارض و مخالف جانتے تو اس کو ذکر ہی نہ کرتے۔ کیا امام موصوف رحمہ اللہ باطل کی تعلیم و تلقین کر گئے ہیں جیسے کہ فریق ثانی کا خیال ہے۔ جہاں امام موصوف مسائل میں تردد کرتے ہیں وہاں دونوں جانب کا تذکرہ کر جاتے ہیں اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کرتے مگر یہاں ایسا نہیں کیا۔ صرف سماع المیت کا باب ذکر فرمایا ہے مخالف جانب کا ایک حرف بھی نہیں لائے۔ یہ بات شہادت صادقہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مختار مسلک سماع الموتٰی ہی ہے۔ دوسرا راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اس بات سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ مصنف ازالۃ الاوہام کا حدیث یسمع قرع نعالھم کو آیات قرآنیہ کے مخالف و معارض کہنا غلط افسانہ ہے۔ آپ کی فہم اور علم امام بخاری رحمہ اللہ سے فائق نہیں۔ وہ اس کو مسئلہ بنا رہے ہیں اور آپ اس کو ساقط کر رہے ہیں ھٰذا عندی واللہ اعلم۔

مصنف ازالۃ الاوہام صٓ ۴ پہ لکھتے ہیں کہ فلاں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (بخاری ۵۶۷/۲) سے چشم پوشی کر لی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ بیشک چشم پوشی جرم ہے۔ لیکن آپ نے تو صحیح حدیث کو مسخ ہی کر

کر دیا ہے۔ یہ چشم پوشی سے زائد جرم ہے۔ دوسری[۲] بات یہ ہے کہ انہوں نے
چشم پوشی اس لیے کی کہ اس سے پہلے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ اس سے چشم پوشی
کر چکے ہیں۔ دیکھیئے امام موصوف رحمہ اللہ، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث
صحیح بخاری میں لائے لیکن اس پر ترجمۃ الباب عدم سماع الموتٰی کا نہیں ذکر کیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس کو بحیثیت مسالہ نہیں لیتے۔ ہاں اختلاف کے
کے بیان کے لیے اسکو ذکر فرما گئے ہیں۔ لیکن خاموش گذر گئے ہیں۔ آپ
اس کا سوال امام بخاریؒ سے کیجیئے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کے مسلک
کی دلیل کو کیوں ترجمۃ الباب سے خالی چھوڑ گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ آپکو
سمجھا گئے خواہ آپ مانیں یا نہ مانیں کہ حضرت عائشہ کی حدیث کی کوئی مناسب
توجیہہ کیجیئے۔ اس کو مسالہ نہ بنائیں۔ لوگوں میں نہ پھیلائیں۔ اسی لیے انہوں نے
اس پر ترجمۃ الباب نہیں لکھا۔ امام موصوف ان باتوں سے غافل نہیں ہیں۔
لیکن اس کو قصداً نظر انداز فرما گئے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو آپ بتائیں کہ اس
حدیث کے مطابق ترجمۃ الباب کیوں نہیں لکھا۔ آپ بڑوں سے پوچھ لیجئے
اور جواب سے ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔ آپ نے حضرت صدیقہ رض کے ایک
سطر[۴] القاب لکھے ٹھیک ہے ہم اس سے زائد ماننے جانتے ہیں۔ لیکن
دوسری جانب کو بھی دیکھیں کہ صرف حضرت ابن عمر رض نہیں ہیں حضرت عمر الفاروق
رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ مسالہ دلائل سے
ثابت ہوتا ہے القابوں سے نہیں ہوتا۔ دلائل پیش کیجیئے۔
تیسری[۳] بات اور بھی ہے دیکھیئے سماع الموتٰی کا مسالہ میت کے دفن

کے بعد کا حال ہے۔ اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے محل میں ذکر فرمایا ہے
اور حدیث لائی ہے اور ترجمہ بھی ذکر کیا ہے۔ کہ مسائلہ مقامی طور سے معلوم
ہوجائے۔ جو مسائلہ ڈھونڈنے والا ڈھونڈتا ہے تو اپنے باب میں دیکھتا
ہے اس کو باب میں یہی مسائلہ ملیگا المیت یسمع اور حضرت امام بخاری
رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو باب سے خارج کر کے
مغازی کے ابواب میں ص۵۶۷ ذکر کر دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے
کہ مسائلہ کی حیثیت سے وہ اس حدیث کو نہیں لانا چاہتے۔ ورنہ اصل
باب میں لاتے، جو قبر میں دفن کے بعد کے احوال ہیں۔ یہ بات استاذ مرحوم
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا فرمان ہے حضرت کا
یہ فرمان بطور ضابطہ کے ہوتا تھا۔ اصل ان کا فرمان صلوٰۃ خوف کے مسائلہ
میں تھا ہم نے اس کو یہاں جاری کر دیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری
رحمہ اللہ کا یہ طریقہ تمام کتاب میں پایا جاتا ہے۔ کہ اصل حدیث جس کو تعامل
میں لیا جائے وہ باب میں لاتے ہیں۔ اور جس کو وہ تعامل میں قبول نہیں فرماتے
وہ باب سے خارج میں ذکر فرما جاتے ہیں۔ اس کے کئی نظائر ہیں۔ مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کا تذکرہ بھی اجمالی انداز میں کر دوں اجمالی
بات تو اس قدر ہے کہ صلوٰۃ خوف جو صورت حضرات حنفیہ کرام کی فقہ
کی کتابوں میں ہے وہی صورت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے باب
صلوٰۃ الخوف ص۱۲۸-۱۲۹ میں ذکر فرمائی ہے۔ جو اصل محل بیان ہے۔
اور صلوٰۃ خوف کی دوسری صورت، جو حضرات شافعیہ نے مذہبی طور سے

اس کو لیا ہے وہ امام بخاری رحمہ اللہ دوسری جلد صہ ۵۹۲ ح ۲ مغازی کے ابواب
میں لائے ہیں۔ امام موصوفؒ نے دونوں ذکر کی ہیں لیکن حنفیہ والی صورت
کو باب صلوٰۃ الخوف میں لائے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامؒ کو
پسند تعامل کے طور پر یہی صورت ہے۔ ہاں دوسری حدیث بھی لائے لیکن
باب سے خارج کر گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو تعامل کے
طور پر لینا نہیں چاہیتے۔ یہی طریقہ مسائلہ سماعِ موتیٰ اور عدم سماع میں آپ
رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ الحاصل سماع موتیٰ پر دلالت کرنیوالی حدیث کتاب الجنائز
میں اصل موقعہ پر لائے ہیں اور ترجمۃ الباب بھی باب سماع المیت کا صریح
ذکر کر دیا ہے۔ اور انکار سماع کی حدیث کتاب المغازی میں لاتے ہیں۔
اور اس پر انکار سماع موتیٰ کا باب بھی نہیں لائے، اس سے آپ خود
اندازہ کر لیں۔ کہ امام موصوف رحمہ اللہ کیا سمجھا گئے ہیں۔ برمحل اور بے محل
کا فرق کون نہیں جانتا۔ صلوٰۃ الخوف، کی تصویر لمبی تفصیل کو چاہتی ہے۔ اہل علم
دونوں کو جانتے ہیں۔ ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بندہ عبدالقدیر عفی عنہ ۶؍ اکتوبر ۱۹۸۷ء
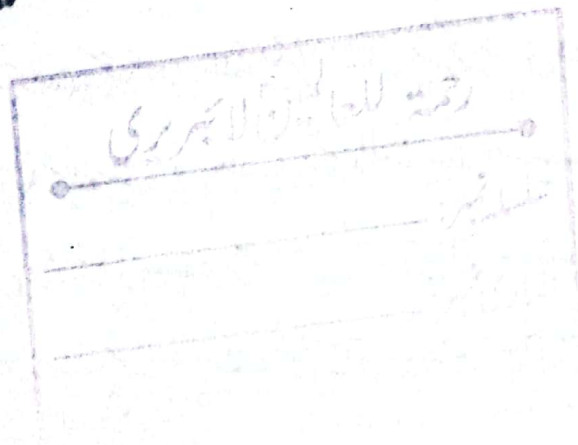
تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تسکین الصدور	-/۶۰ روپے	شوق حدیث	-/۱۲
تبرید النواظر	-/۱۵ "	انکارِ حدیث کے نتائج	۱۳/۵۰
صرف ایک اسلام	-/۱۴ "	عمدۃ الاثاث	-/۱۰
ازالۃ الریب	-/۶۰ "	بابِ جنت	-/۱۲
گلدستہ توحید	-/۱۰ "	احسن الکلام	زیرِ طبع
دل کا سرور	-/۱۲ "	مقامِ ابی حنیفہؒ	" "
عباراتِ اکابر	-/۱۵ "	طائفہ منصورہ	" "
الکلام المفید	-/۵۵ "	راہِ سنت	" "
اظہار العیب	-/۲۵ "	آئینہ محمدیؐ	" "
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	-/۵ "	سماع الموتیٰ	" "
اتمام البرہان اوّل	-/۱۲ "	تفریح الخواطر	" "
اتمام البرہان دوم، سوم	-/۱۶ "	تبلیغ اسلام	" "
اتمام البرہان چہارم	-/۱۲ "	اخفاء الذکر	" "
ملّا علی القاری اور مسئلہ علمِ غیب	-/۳ "	چراغ کی روشنی	" "
الشہاب المبین	-/۹ "	عیسائیت کا پس منظر	" "
چالیس دعائیں	۱/۵۰ "	بانی دار العلوم دیوبند	" "
مسئلہ قربانی	-/۵ "	راہِ ہدایت	" "
تنقیدِ متین	-/۱۲ "	حلیۃ المسلمین	" "
حکم الذکر بالجہر	-/۱۵ "	مودودی کا ایک غلط فتویٰ	" "
المسلک المنصور	۷/۵۰ "	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	" "